بجلی گری نشیمن پر

سید نور حسین شاہ

PDFBOOKSFREE.PK

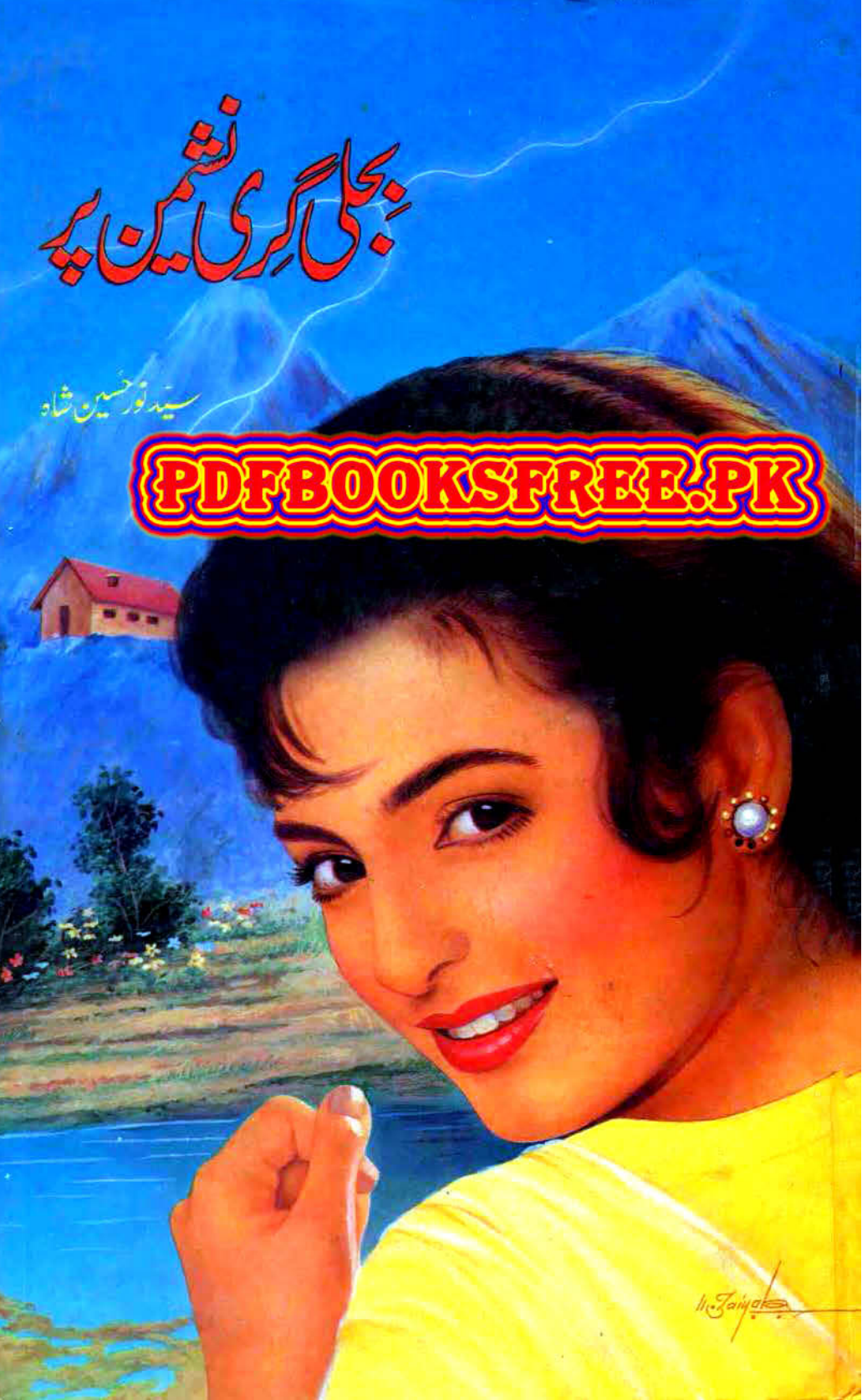

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

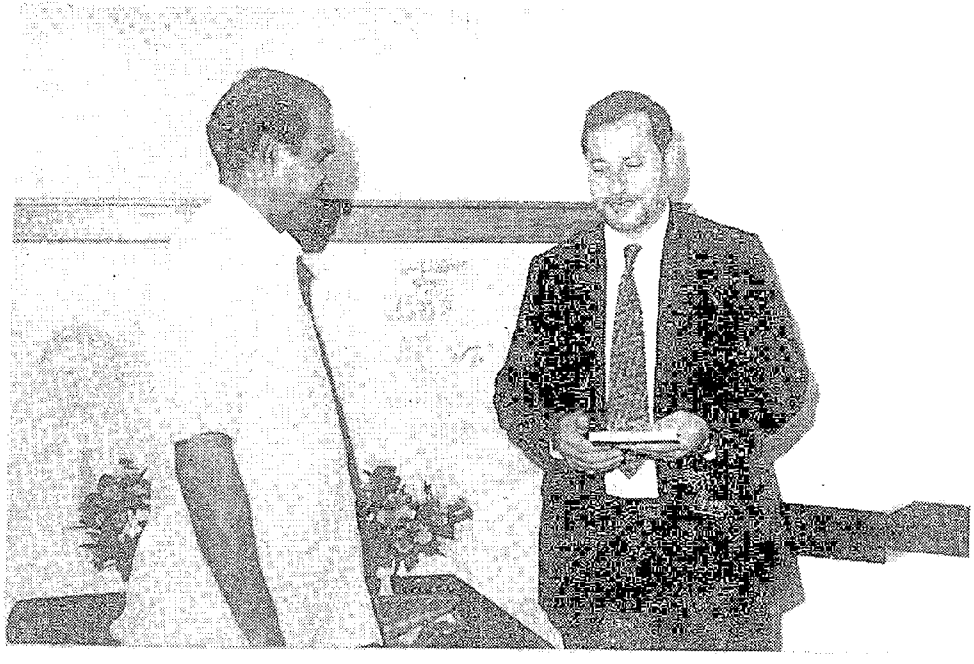

مظلوم عورتوں کی سچی کہانیوں کی کتاب "مورد الزام آدم زادی" کی رونمائی ۶ ستمبر ۱۹۹۱ بروز جمعہ
بدست جناب عمر خان علی شیرزئی ناظم الامور سفارت خانہ پاکستان ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیس دیس کلی کلی منڈلانے والے بھنورے کی عبرتناک داستان کے ناول "گہن لگا چاند" کی
رونمائی ۲۰ر نومبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ بدست عزت مآب میر محمد نصیر مینگل سفیر پاکستان ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محنت اور ریاضت کے بل بوتے پر قسمت سنوارنے والے غریب خاندان کے چشم وچراغ کی
معاشرتی کہانی پر لکھے جانے والے ناول "صحرا میں کنول" اور بچوں کی طلسماتی کہانیوں کی کتاب
"کنول" کی رونمائی یکم اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز جمعہ بدست قاضی حبیب الرحمٰن سیکنڈ سیکریٹری سفارت
خانہ پاکستان ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

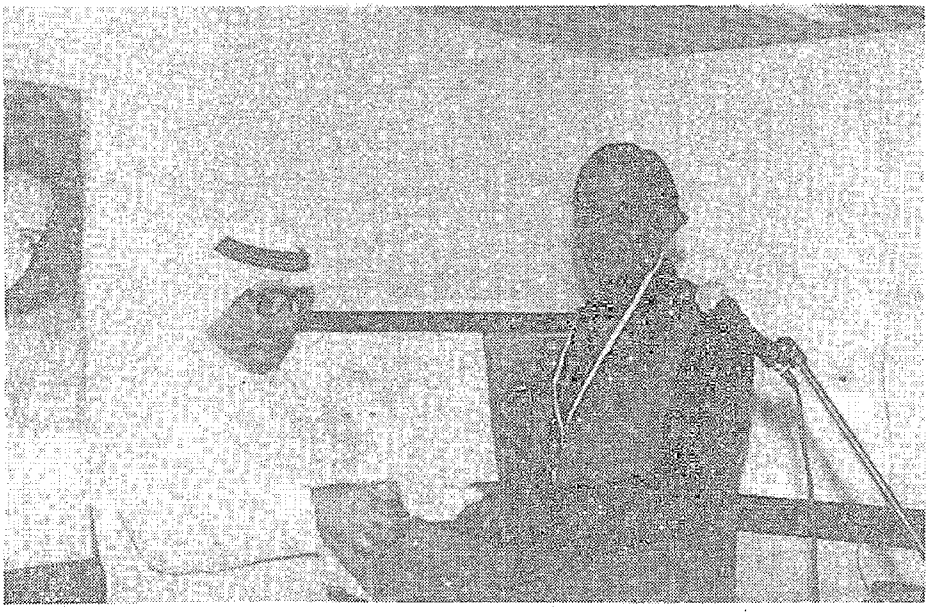

قطر فرٹیلائزر کمپنی کے جنرل منیجر فیصل السویدی کے نمائندے و آفیسر تعلقات عامہ جناب علی فخر
''صحرا میں کنول'' کی تقریب رونمائی کے بعد افسانہ نگار سید حسین شاہ کو انعام دے رہے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتساب

محترم حکیم محمد سعید جنہوں نے اپنے پیارے وطن میں
مصباح علمیت و حکمت فروزاں کیا ہے

کشور کی پہچان محمد سعید لقمان
پرچارک راست دین منبع ہست من
مونس نورعروسان چمن معالج عروسان وطن
کردہ است روشن دیاعلم جہاں
از چراغ روشن دل بیمار روشن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

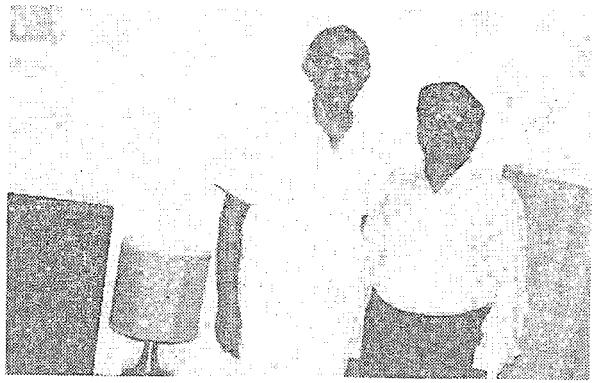

مقدمہ

"بجلی گری نشیمن پر" سید نور حسین شاہ کا ایک اہم موضوع پر ایسا ناول ہے جو ہمارے معاشرے کی بعض خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ناول کا نام جتنا خوب صورت ہے اتنی ہی خوب صورتی سے ہمارے مسائل پر شاہ صاحب نے روشنی ڈالی ہے۔

زاہدہ، ندیم، رخشندہ اور نشاط تقدیر کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصنف کا یہ ناول مقصدی ہے اور اردو فکشن کی اس روایت میں اس کا شمار ہوگا جس کی ابتدا ڈپٹی نذیر احمد، راشد الخیری اور قاضی سرفراز نے کی تھی۔ ناول کے جو کردار غلطیوں اور گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں قدرت نے انہیں سزا دی ہے۔

سید نور حسین شاہ نے ناول کے کرداروں اور واقعات کو نہ تو الجھایا ہے اور نہ ہی پیچیدہ بنایا ہے بلکہ سیدھے سادے انداز میں ایک ایسی کہانی بیان کردی ہے جو معاشرے کی کئی خرابیوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتی ہے۔

ڈاکٹر خلیق انجم
جنرل سیکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر نئی دلی

میری نظر میں

ستمبر ۱۹۹۱ء میں جب سید نور حسین شاہ کی پہلی افسانوی کتاب "مورد الزام آدم زادی" منظر عام پر آئی تو ہر کوئی دم بخود تھا! یہ تو استعجاب کوئی بے جا بھی نہ تھا۔ نہ تو شاہ صاحب کی ظاہر وضع قطع سے ادب ٹپکتا ہے نہ ان کی گفتگو میں کہیں اس کا سراغ ملتا تھا اور نہ ہی آس پاس کوئی ایسا CATALIST (عمل انگیز) نظر آتا تھا جس پر تخلیق کا الزام دھرا جاسکے۔ اس پر مستزاد ان کے کام کا ماحول اور نوعیت تھی۔

فیکٹری میں اوقات کار بھی یک سو نہیں، کبھی صبح، کبھی شام اور کبھی رات بھر کام کا چکر، فضا میں آکسیجن کے ساتھ وافر امونیا بھی دم بخت ہونے کے لئے، اور بندہ مزدور کی تلخ اوقاتی! مگر وہ جو غالب نے کہا ہے کہ۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال

شاہ صاحب کی اولین کتاب کا صدمہ حیرت ابھی سیاہ پوش نہ ہوا تھا کہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں ان کی دوسری تخلیق "گہن لگا چاند" ناول کے روپ میں آگئی جو ان کی تخلیقی استعداد پر مہر ثبت کرگئی اور پھر ۱۹۹۳ء میں تیسری تصنیف "صحرا میں کنول" منصہ شہود پر آگئی۔ موڈ اب بدل چکا ہے۔ حلقہ یاراں ہو کہ بزم غیر، ہر کوئی ان سے آشنا ہے اور ان کی صلاحیتوں کا معترف۔

لکھنے پڑھنے کے علاوہ شاہ صاحب کا گزر کوچہ صحافت میں بھی اک عرصے سے ہے۔ انجمن آرائی اور دوست داری میں بھی آپ کی ذات ایک حوالہ بنتی جارہی ہے۔ قطر کے اس چھوٹے شہر "ام سعید" میں جو دراصل قطر کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہے باہر سے آئے ہوئے باشندوں کی ایک بوقلموں سوسائٹی بن رہی ہے۔ اس متنوع ماحول میں شاہ صاحب اپنی ادبی قد آوری کی بدولت یک وتنہا نظر آتے ہیں۔

ذاتی سطح پر ان کی دوستی قابل اعتماد اور شکست نا آشنا ہے۔ وہ ایک منظم اور وضع دار زندگی کے جویا ہیں۔ اختلاف کرنے اور سننے کا سلیقہ اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ بدگوئی اور ہرزہ بیانی ان کی رفتار کو کم نہیں کرتی بلکہ مہمیز دیتی ہے۔ ہر قسم کے حالات میں انہوں نے اک ادائے ناز سے پیش رفت کی ہے۔

شاہ صاحب کے موضوعات زندگی کے موضوعات ہیں، سرد، گرم، حسین قبیح، سرشار اور غم آلود، حیات آمیز، حیات آموز اور حیات آفریں۔ انداز نگارش میں بھی ایک خاص نکھار ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

عبدالخالق مونس
ام سعید، قطر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجلی گری نشیمن پر

یہ میری محرومی ہے کہ مجھے تاحال سید نور حسین شاہ سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا حالانکہ وہ پنڈدادن خان کے باسی ہیں جو میرا انتہائی وطن ہے اور جس کے نمکین پانی سے میرا بچپن شرابور ہے۔ میری خوش بختی ہے کہ مجھے ماہنامہ تخلیق لاہور کے مدیر اظہر جاوید کے توسط سے شاہ صاحب کا مقبول ناول "گہن لگا چاند" پڑھنے کا موقع ملا۔ اس ناول پر پروفیسر جگن ناتھ آزاد اور پروفیسر سودائی نے اپنی قیمتی اور سنہری آرا کا اظہار کیا ہے۔ میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ سید نور حسین شاہ کی ناول نگاری کو بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں نے تسلیم کرلیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خوشی کی ایک اور بات یہ ہے کہ ان کے افسانوں کا مجموعہ "مورد الزام آدم زادی" شائع ہوا تو اس کی تحسین سید المزاح جناب ضمیر جعفری نے کی۔ یعنی سنجیدہ نگار ہی نہیں' مزاح نگار بھی ان کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں۔

میں ناول "گہن لگا چاند" پڑھ چکا تو اظہر جاوید نے پوچھا۔

"ناول کیسا لگا؟"

گزارش کی "سید نور حسین شاہ نے یہ گلاب دوحہ اور قطر کے صحرا میں کھلایا ہے لیکن دیکھئے اس کی خوشبو پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں میں پہنچ گئی ہے۔ اگر وہ لندن' ناروے' جرمنی یا کینیڈا میں ہوتے اور پاکستان سے کسی اخبار نویس کو بلا کر ناول کی رونمائی کراتے تو اس کی خوشبو پوری دنیا میں پھیل جاتی۔ ان کے فن کا موازنہ قرۃ العین حیدر' عبداللہ حسین' جوگندر پال' غلام الثقلین نقوی' بانو قدسیہ اور فرخندہ لودھی کے ناولوں سے ہوتا ہے' اردو ادب میں کا مقام بلند متعین کیا جاتا ہے۔"

ماہنامہ تخلیق لاہور کے مدیر اظہر جاوید بولے "داد اس بات کی دو کہ "بلوچاں والا" جیسے غیر معروف محلے اور پنڈدادنخان جیسے دور افتادہ مقام سے ایک ایسا ناول نگار ابھرا ہے جس نے نہ لاٹھی استعمال کی ہے نہ بیساکھی۔ اور اردو کی دو بڑی راج دھانیوں میں اپنے نام کا سکہ جاری کردیا ہے۔"

میں اظہر جاوید کی داد میں شریک ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ پنڈدادن خان کی تعریف ہو تو میں اسے ذاتی تعریف تصور کرتا ہوں۔ اب اظہر جاوید نے بات آگے بڑھائی اور ناول "بجلی گری نشیمن پر" کا مسودہ پڑھنے کے لیے دیا اور کہا "اس پر اپنی رائے لکھ دو"

اس ناچیز انور سدید کی رائے میں سید نور حسین شاہ نے "بجلی گری نشیمن پر" میں نہ تاریخ پر سفر کیا ہے اور نہ جغرافیہ کو اہمیت دی ہے۔ ان کی جولانگاہ انسان اور پورا جہان ہے۔ وہ اپنا منظر نامہ اس کائنات میں مرتب کرتے ہیں جو آدم زاد کے باطن میں آباد ہے اور جس کی تہ میں کوئی اتر نہیں سکا۔ جس کی وسعت کو کوئی پا نہیں سکا اور جب عمر کی نقدی ختم ہونے لگتی ہے تو گردو پیش نئی کیفیت میں سامنے آتا ہے' ہم نفسادیرینہ نقاب پوش دکھائی دیتے ہیں۔

اس ناول کا ہیرو ندیم جو سید نور حسین شاہ کی رائے میں گل چیں ہے۔ کلی کلی کا رس چوستا ہے۔ جنسی ہوس آسودہ کرتا ہے لیکن آخر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ ندیم معاشرے کے ساتھ منافقت کررہا تھا اور معاشرہ منافقت کے حربوں سے ہی ندیم کو سنگسار کررہا تھا۔ پھر مکافات عمل شروع ہوجاتا ہے۔ ندیم کا بھیانک انجام قاری کو برا گیختہ کردیتا ہے۔ وہ گردن ڈال کر سوچتا ہے۔

"ندیم نے زمانے کو دھوکا کیوں دیا؟"

"زمانے نے ندیم سے انتقام کیوں لیا؟"

جواب کے طور پر ناول نگار نے معرفت کے بہت سے راز جزئیات میں چھپا دیئے ہیں' ان سوالات کا حل اپنے تجربے کی روشنی میں پیش کیا ہے اور یہ ایسا حل ہے جس سے دنیا کا ہر دیمک زدہ ندیم سبق حاصل کرسکتا ہے۔ اس راستے پر چل سکتا ہے جسے دیمک چاٹ نہیں سکتی۔ یہ اس ناول کا اصلاحی مقصد ہے اور نور حسین شاہ نے اس مقصد کو کہیں بھی نظرانداز نہیں کیا۔

مجھے امید ہے کہ یہ ناول ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ اس کی پذیرائی بڑے پیمانے پر ہوگی۔ اس کی خوشبو دور دور پہنچے گی۔ انشاءاللہ!

انور سدید

لاہور۔ ۱۷ ستمبر ۹۳ء

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”معروضات مصنف“

قارئین کرام میرا مقصد حیات یہ ہے کہ میں معاشرے کی مخفی برائیوں وناسوروں کا پردہ چاک کروں اور عاصی کو آئینہ دکھاؤں۔ شاید وہ سنبھل جائے اور توبتہ النصوح کی چھتری تلے صراط مستقیم پر چل پڑے جبکہ دوسرے لوگ خلقت تقصیراور اس کے بھیانک انجام کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش کریں اور معاشرے کی عمارت کی کمزور بنیادوں کو استوار کرکے اسلام کی پر نور کرنوں کو چہار سو پھیلاتے ہوئے اسلام اور اسلاف کا نام روشن کریں۔

انسان بھی کتنا نادان ہے کہ وہ جوش وجذبے میں آکر حیوان سے بھی کوسوں پیچھے جاکر مذموم برائیوں کوفخریہ اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیتا ہے اور مستقبل وعاقبت کو سنوارنے سے دور بھاگتا ہے۔ لیکن جب مکافات عمل شروع ہوتا ہے تو وہ کف افسوس ملتا ہے' اسے رہ رہ کر رونا آتا ہے لیکن اس کی آہ وفغاں کا ہیچ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وقت کا تیر کمان سے نکل چکا ہوتا ہے۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

میرے زیر نظر ناول ”بجلی گری نشیمن پر“ سے پہلے منصہ شہود پر آنے والے ناول ”صحرا میں کنول“ میں ندیم کا ایک ثانوی کردار تھا۔ اس نے گرم گرم جذبات کی رو میں بہہ کر ایک نیک دوشیزہ زاہدہ کی معصوم امنگوں کو ڈبو کر اس کی زیست تاباں کو گہنا دیا تھا۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ پھر ندیم کی شادی ایک خوب صورت لڑکی رخشندہ سے ہوتی ہے۔ میرا ناول جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کا مرکزی کردار ندیم ہی ہے۔ ندیم اور رخشندہ میں کوئی جسمانی نقص نہیں ہے۔ ان کی میڈیکل رپورٹ بھی ٹھیک ہے۔ ان دونوں کے خلئے مل کر بارور خلیہ پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے گلشن حیات میں کوئی پھول نہیں کھلتا تو مجبوراً وہ ایک دوسرے چمن سے ایک خوب صورت غنچے کو توڑ کر اپنے چمنستان کی زینت بنالیتے ہیں۔ پھر وہ حسرت وچاہت سے اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ جب وہ گلبن بن جاتا ہے تو گل چیں ندیم کو اس سے کوئی خوشبو نہیں آتی۔ اسے خوشبو آتی بھی کیسے وہ تو ندیم سے ہزاروں میل دور امریکا میں سیٹل ہوکر اپنی خوبرو بیوی کے دل کی انگنائی کو مہکا رہا تھا۔ تو ندیم کا دل اپنے بیٹے سے بیزار ہوگیا۔

ندیم کے دل میں حقیقی بیٹے کی آرزو کا کنول کھل پڑا۔ حالات نے بھی اس کا ساتھ دیا اور اس نے اپنی بیوی رخشندہ کو بتائے بغیر ایک مہ پارہ دوشیزہ نشاط سے دوسری شادی کرلی۔

جب اس نے رخشندہ سے شادی کی تھی تو تقدیر نے اس وقت بھی ندیم سے انوکھا مذاق کیا تھا وہ یہ کہ رخشندہ دوشیزہ نہیں تھی بلکہ چاندسی بیوہ تھی۔ لیکن ندیم اس سے بے خبر تھا۔

نشاط کے ساتھ شادی کے وقت بھی قسمت نے اس کے ساتھ طرفہ تماشا کھیلا۔ اس نے بے خبری میں شب زفاف ایک طوائف سے منائی جبکہ نشاط نے کسی اور سے۔

آہا۔ برسوں پہلے ندیم نے زاہدہ کے عفت کے موتی کو اس سے چھین لیا تھا اور آج کوئی اور اس کمرے کے متصل کمرے میں اس کی بیوی کی عزت سے کھیل رہا تھا اور وہ بے خبر تھا۔

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں ڈھلے تو نشاط کے شکم سے ندیم کے بیٹے نے جنم لیا۔ جب اس پر بھید کھلا کہ نشاط کی کوکھ سے ہونے والا بیٹا اس کا بیٹا نہیں ہے تو اس نے ایک معصوم لوتھڑے کو اپنے ہاتھوں سے ماردیا .... کچھ دنوں کے بعد انہی بے رحم ہاتھوں اس نے اپنا گلا بھی کاٹ دیا... بے شک خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی... قدرت نے کتنا خوف ناک بدلہ لیا ندیم سے۔

ناول ”صحرا میں کنول“ میں دوسرا ثانوی کردار شہزاد کا تھا۔ وہ بے قصور تھا۔ اس نے خود کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اگر معصیت کا پھندا اپنے گلے میں ڈالا تھا تو اس کی ماں زاہدہ نے.... لیکن زاہدہ بھی تو بے قصور تھی۔ اسے تو زبردستی ایک سفاک عقاب (ندیم) نے اپنے پنجوں میں دبوچ لیا تھا۔

شہزاد کو ماضی کی قطعی خبر نہ تھی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ناگاہ اس کے باپ حشمت نے اس کی شادی گل بکاؤلی سے کرنے سے کیوں انکار کردیا تھا۔ اس کا قصور تو صرف اتنا تھا کہ اس کی ضد تھی کہ وہ گل بکاؤلی سے ہی شادی کرے گا۔ اور اس کی ضد نے اس کے ماں باپ دونوں کی جان لے لی۔

بلاشبہ شہزاد بے تقصیر تھا لیکن اس کی بے جا ضد اور ناروا سلوک نے اس کے پدرومادر کا دل کرچی کرچی کردیا تھا۔ انہیں آسمان سے زمین پر پٹخ کر درگور کردیا تھا۔ لہٰذا وہ بھی اللہ کے قہر سے نہ بچ سکا۔ وہ ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہوکر کچھ عرصہ کے لئے نیم پاگل رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اللہ نے اس پر اپنی رحمت کی دروازے کھول دیے اور وہ پھر سے طمانیت آمیز اور فرحت انگیز زندگی گزارنے لگا۔

زیر نظر ناول میں رخشندہ اور نشاط دونوں کا تقریباً مرکزی کردار ہے۔ رخشندہ نے اپنی زندگی کو رخشندہ بنانے کے لئے اپنی پہلی شادی کا راز ندیم سے پوشیدہ رکھا لیکن اس نے نہ تو ندیم سے کوئی بے وفائی کی اور نہ ہی اس کی زندگی میں کانٹے بوئے۔ جب ندیم سے شادی کرنے کے بعد اولاد نہ ہوئی تو اپنے پہلے خاوند سے ہونے والے بیٹے نوید کو متبنی بنالیا لیکن جب ندیم پر افشائے راز ہوا تو اس نے رخشندہ کو طلاق رجعی دے دی۔ ”جیسی کرنی ویسی بھرنی رخشندہ نے بھی اپنی معمولی سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غلطی کی کڑی سزا پالی۔"

نشاط نے اپنی ماں کے بہکانے پر بلاشبہ بہت بڑا پاپ کیا۔ وہ اپنی ماں کی حرص زر کی آرزو کو تعبیر دینے کے لئے گناہوں کے دریا میں کود پڑی لیکن اس نے ندیم سے قبل از وفات اپنے گناہ کبیرہ کی معافی مانگ لی ..... اور اس نے کفارہ بھی ادا کیا۔ وہ اس طرح کہ اپنی حیات مستعار ندیم کی سہانی یادوں کے سہارے گزار دی۔ اس نے اپنے آنگن میں "چراغ جان جاناں" فیروزاں رکھا۔ (نشاط نے اپنی کٹھن زندگی کو کیسے گزارا؟ اس کے لئے میرے آنے والے ناول "خار دار شاخ پہ گل" کا انتظار فرمایئے۔"

قارئین کرام میں نے اپنے ناول "بجلی گری نشیمن پر" میں معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹتی ہوئی گوناگوں برائیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردے کو تھوڑا سا سرکا کر لوگوں کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے کا ذائقہ بھی چکھایا ہے۔ میں اپنی سعی ادنیٰ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔

آخر میں، میں ہندوستان کے معروف دانشور اور انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سیکریٹری جناب ڈاکٹر خلیق انجم کی شخصیت پر خامہ فرسائی کرکے کوزے میں دریا بند کرنا چاہتا ہوں۔ آپ پینتیس ضخیم کتابوں مثلاً آثار الصنادید (تین بڑی جلدیں) سرسید احمد خاں کی شخصیت (تین بڑی جلدیں) مولانا ابوالکلام آزاد، فیض احمد فیض، سید سلیمان ندوی، جوش ملیح آبادی، مولوی عبدالحق، مرقع دہلی، غالب کی یادگار تحریریں، غالب اور شان تیموریہ، غالب کے خطوط (چار بڑی جلدیں) وغیرہ کے مصنف ہیں۔ آپ ۱۹۷۵ء سے انجمن ترقی اردو کے جنرل سیکریٹری ہیں۔ آپ کو فخر ہے کہ آپ نے اردو گھر، اردو بک ڈپو اور لائبریری (جس میں ساڑھے چار ہزار متنوع اور ڈھائی ہزار نایاب کتابیں ہیں) کی تعمیر کرا کر بابائے اردو مولوی عبدالحق کے خوابوں کو تعبیر کا لبادہ پہنایا ہے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ اردو گھر کا سنگ بنیاد وزیراعظم ہند اندرا گاندھی نے ۱۹۶۶ء میں رکھا تھا۔ اور افتتاح مرارجی ڈیسائی نے ۱۹۷۷ء میں کیا تھا۔ میں موصوف کا تہ دل سے سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کرکے زیر نظر ناول پر تبصرہ فرمایا جو میرے لئے ایک اعزاز ہے۔

میں اپنے رفیق اور ام سعید شہر کی جانی پہچانی شخصیت عبدالخالق مونس کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے نہایت خوب صورت الفاظ میں میری شخصیت اور فن پر روشنی ڈالی۔

سید نور حسین شاہ

بجلی گری نشیمن پر

جمعہ کا روز تھا۔ آسمان پر گہرے بادلوں کی دبیز چادر بچھی تھی۔ چہار سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وقفے وقفے سے خندہ برق آنچل سے منہ نکالتی اور مہیب آواز کے ساتھ اجالا بکھیر دیتی۔

زاہدہ جو بارہویں جماعت کی طالبہ تھی۔ سالانہ امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ اس وقت وہ کیمسٹری کا مضمون پڑھ رہی تھی۔ دفعتاً اسے خیال آیا۔

"کیوں نہ ندیم سے کیمسٹری کے نوٹس لے کر ان کی ورق گردانی کرلوں۔"

ندیم اس کا پڑوسی تھا اور اس کی طرح نہایت ذہین و فطین طالب علم تھا۔ وہ بھی بارہویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ لہٰذا وہ اکثر ایک دوسرے کے گھر جاکر پڑھائی پر بحث و مباحثہ کرتے اور ایک دوسرے کو مفید مشوروں سے مستفید کرکے اپنے علم میں اضافہ کرتے تھے۔ ان کے والدین کو ان کے مل جل کر بیٹھنے اور پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا بلکہ انہیں تو پھول اور کلی پر ناز تھا۔ وہ خوش تھے کہ ان کے بچے لائق اور عقل مند تھے۔ اپنے اپنے ونگز میں فرسٹ آتے تھے۔ یعنی وہ لڑکوں میں فرسٹ آتا اور وہ لڑکیوں میں فرسٹ آتی تھی۔ مجموعی نتیجے میں کبھی زاہدہ کے نمبر زیادہ ہوتے اور کبھی ندیم کے۔ ان دونوں کے نمبروں میں انیس و بیس کا فرق ہوتا تھا۔

زاہدہ نے ندیم کے گھر جانے سے پہلے حسب معمول ماں سے کہا۔

"ماں۔ میں خالہ کے گھر جارہی ہوں .... ندیم سے کیمسٹری کے نوٹس لے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پانچ منٹ میں واپس آجاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹا جاؤ" زاہدہ کی اماں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

زاہدہ نے ندیم کے گھر کی کال بیل پر انگلی رکھی تو باب وا ہوا۔ زاہدہ کے سامنے ندیم کھڑا تھا۔

معا بادل زور سے گرجا۔ زاہدہ جو خندہ برق سے ڈرتی تھی۔ بجلی کی چمک پر خوف کے مارے اچھلی اور غیر ارادی طور پر ندیم کے سینے سے لگ گئی۔

ندیم بڑا ہی شریف لڑکا تھا۔ اس میں شرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی لیکن زاہدہ کے سینے کے زیروبم سے اس کا خون گرم ہو کر کھولنے لگا۔ اس کا ذہن گرم لہو کی گردش سے کھو سا گیا۔ اس نے بھی زاہدہ کے گرد اپنی بانہیں پھیلا دیں۔

چند ثانئے گزرے ہوں گے کہ زاہدہ خوف وڈر کے حصار سے باہر نکلی تو فوراً ندیم کے سینے سے الگ ہو گئی۔ شرم کے مارے اس نے سر جھکا لیا۔ جھکے سر اور لرزتے قدموں کے ساتھ ڈرائنگ میں آکر اس کرسی پر بیٹھ گئی جس پر وہ اکثر بیٹھتی تھی۔ ندیم بھی حسب معمول ساتھ والی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے لرزتے ہونٹوں سے پوچھا "زاہدہ۔ آج کون سا سوال پوچھنا ہے؟"

"ندیم۔ میں کیمسٹری کے نوٹس لینے آئی ہوں" زاہدہ نے جھکے سر اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"اچھا .... میں ابھی دوسرے کمرے سے نوٹس لے کر آتا ہوں۔"

"خالہ جان کہاں ہیں" اس کے جانے سے پہلے زاہدہ نے پوچھا۔

"وہ اسپتال گئی ہیں۔ آدھے گھنٹے میں واپس آجائیں گی" ندیم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

وہ ندیم کے جواب دینے کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے حجاب کی چادر منہ سے سرکاتے ہوئے ندیم کی طرف دیکھا تو اسے پہلی دفعہ ندیم کی آنکھوں میں عجیب چمک نظر آئی۔ اس نے مجبوراً آنکھیں جھکا لیں کیونکہ وہ اس کی آنکھوں کا

مقابلہ نہ کر سکی پھر اس نے ہکلاتی زبان سے کہا "ندیم۔ خالہ جان گھر میں نہیں ہیں ... تو پھر مجھے اندر نہیں آنا چاہئے تھا۔ تم نے مجھے اندر داخل ہونے سے پہلے بتا دیا ہوتا... تو میں اندر نہ آتی۔"

"تم نے اجازت ہی کہاں لی۔ بجلی چمکی تو میرے گلے سے لگ گئیں اور پھر.... خود ہی اندر آگئیں۔ تم نے مجھے کچھ کہنے کا موقع کہاں دیا تھا۔ جب تم اندر آکر بیٹھ ہی گئیں تو پھر بھلا میں اپنے محبوب کو گھر سے جانے کے لئے کیسے کہہ سکتا تھا۔"

ندیم نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

محبوب کا نام سن کر زاہدہ چونکی اور ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلا کر بولی "او۔ آئی ایم سوری۔"

"کہاں چل دیے سرکار۔ نوٹس تو لے کر جائیں" ندیم نے زاہدہ کی مرمریں بانہوں کو پکڑ کر کہا۔

زاہدہ نے ہاتھ کی کلائی کو ندیم کے ہاتھوں سے زور سے چھڑایا تو اس کی نظریں ندیم کی نظروں سے ٹکرا گئیں۔ وہ فرط خوف وحجاب سے گویا ہوئی "ندیم۔ آج تم شرربار کیوں بن گئے ہو۔ تمہاری آنکھوں سے چنگاریاں کیوں نکل رہی ہیں ..... کیوں؟"

"میری آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں ..... دل جو جل رہا ہے" ندیم نے ذرا دھیمے لہجے مگر چاہت بھرے انداز میں کہا۔

"اچھا.... میں تو جاتی ہوں تاکہ تمہارا دل سکون سے جل سکے" زاہدہ نے خندہ زیر لبی کہا۔

ندیم جو پہلے ہی ہوش وحواس کھو چکا تھا اور انجانے خیالات میں غوطے کھا رہا تھا۔ زاہدہ کی ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لئے تیز ریلا ثابت ہوئی' وہ حیوان مطلق بن گیا۔ وہ عقاب بن کر زاہدہ پر جھپٹا تو زاہدہ نے ذرا پیچھے ہٹ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا اور چیختے ہوئے گویا ہوئی "ندیم۔ ہوش میں آؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ندیم نے خونخوار آنکھوں سے زاہدہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کیسے ہوش میں آؤں جبکہ تم نے مجھے اپنی حشر سامانیوں سے بے ہوش کردیا ہے۔ اب تم ہی مجھے ہوش میں لاسکتی ہو.... پہلے خندہ برق نے میرے دل کے نشیمن کو جلایا.... بجلی چمکی اور تو میرے سینے سے لگ گئی۔ میرے جذبات واحساسات میں زلزلہ آگیا اور میرا دل جل اٹھا.... اور اب تیری ہلکی سی مسکراہٹ نے میرے دماغ کو بھی ماؤف کردیا ہے۔ میرا خون گرم ہوکر کھولنے لگا ہے۔ آنکھیں بھی چنگاریاں نکل رہی ہیں .... میرے ہوس وجنس کی چنگاریاں تجھے بھی بھون دیں گی .... بھون دیں گی .... اب میں اخلاق افروختہ بت بن چکا ہوں۔ اب اس بے جان مجسمے میں کوئی دماغ .... کوئی دل نہیں ہے۔ اس لئے اب مجھ سے کسی قسم کی اچھائی کی امید نہ رکھو۔"

پھر ندیم عقاب بن گیا۔ اس نے بے پر چڑیا کو اپنے آہنی پنجوں میں جکڑلیا اور اس کی آبرو کی مورتی کو ریزہ ریزہ کردیا۔

زاہدہ لرزتی ہوئی گھر پہنچی۔ چپکے چپکے ... دبے دبے اور سرجھکائے گھر میں داخل ہوئی اور بستر پر لیٹ کر اپنے اوپر چادر تان لی۔

کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ زاہدہ کی ماں صفیہ بیڈ روم میں داخل ہوئی اور زاہدہ کو چادر اوڑھے سوتے ہوئے دیکھا تو منہ سے اس کی چادر ہٹائی۔ پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اسے اپنی بیٹی کی جبیں توے کی طرح گرم لگی۔ وہ پریشان ہوکر اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی۔

"ہائے اللہ ... کچھ دیر پہلے ہی تو زاہدہ خوش خوش ندیم کے گھر گئی تھی اور ابھی چند منٹ ہی گزر پائے ہیں کہ میری بیٹی بخار میں مبتلا ہوچکی ہے .... ہائے اللہ .... میری بیٹی کو کس کی نظر بد لگ گئی.... پھر اس نے سورہ فاتحہ پڑھ کر بیٹی کو دم کیا اور بوجھل قدموں کے ساتھ واپس آگئی۔

زاہدہ دلخراش دل کے ساتھ آنکھیں بند کیے ماں کی دلسوز باتیں سنتی رہی اور دبکے لیٹی رہی۔ ماں کے جانے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

وقت گزرنے لگا۔ جب زاہدہ کے قدم بھاری ہوئے تو وہ اپنے اوپر ڈھائے جانے والے ستم کو چھپا نہ سکی۔ اس نے رو رو کر اپنی داستان غم ماں کو سنادی۔

"ماں بجلی گری میرے نشیمن پر تو میرا سب کچھ جل گیا.... حرمت بھی جل کر بھسم ہوگئی۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر ماں کو بتایا پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ چند ثانئے گزرنے کے بعد اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

"ماں۔ کیا بجلی حرماں نصیبوں اور معصوموں پر ہی گرتی ہے.... ان کی آشاؤں' ارمانوں اور جذبوں کے آشیانوں کو جلا کر راکھ کردیتی ہے اور ان کی گردنوں میں گناہوں کا طوق ڈال دیتی ہے.... کیوں .... آخر کیوں؟..."

"کیا .... یہ انصاف ہے ..... کیا خدا معصوموں کو گناہوں کی چکی میں پستا دیکھ نہیں رہا ہوتا' کیا وہ ان کی دلخراش چیخیں سن نہیں رہا ہوتا.... اگر وہ دیکھ اور سن رہا ہوتا ہے تو پھر اس کے قہر کی بجلی ستم گروں پر کیوں نہیں گرتی .... کیوں نہیں گرتی۔"

فرط غم سے زاہدہ کی ماں صفیہ کا کلیجہ کباب ہوگیا۔ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ پھر اس نے زاہدہ کو پیٹنا شروع کردیا اور اس وقت تک اس بے چاری بے گناہ کو پیٹتی رہی جب تک وہ تھک نہ گئی۔

زاہدہ کے والدین نے اپنی بیٹی کے مسئلے کو سلجھانے کے لئے ندیم کے ماں باپ سے ندیم کا رشتہ مانگا جو انہوں نے منظور کرلیا لیکن ندیم نے شادی سے صاف انکار کردیا۔ اس کے انکار نے زاہدہ اور اس کے ماں باپ کی آرزوؤں کو کچل کر راکھ کر دیا۔ ندیم نے نہ صرف انکار کیا بلکہ طنز و تشنیع کا زہر اگل کر سارے کا سارا الزام زاہدہ کے سر تھوپ دیا۔

زاہدہ مفت میں مجھ پر بہتان لگا رہی ہے .... نہ جانے کیوں .... میں بے قصور ہوں.... یہ کسی کا گناہ میرے سر تھوپ رہی ہے۔"

پھر وہ زہریلی مسکان ہونٹوں پر سجائے بولا "میں کیسے ایک کلموہی سے شادی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرسکتا ہوں۔ کیسے' میں زاہدہ سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔"

ندیم کا انکار اور اس کا بہتان زاہدہ کے دل کے نشیمن پر بجلی بن کر گرا۔ اس کا خرمن دل جل اٹھا۔ بجلی گری نشیمن پر تو زاہدہ کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور ان سے الفاظ کا شعلہ کوندا اور فلک کی طرف لپکا..... اور عرش بریں پر پہنچا۔

"اے اللہ۔ میں گناہ گار نہیں ہوں.... مجھے گناہ گار بنادیا گیا ہے.... اب میں تجھ سے رو رو کر فریاد کرتی ہوں کہ جس شخص نے مجھ پر گناہوں کا ثقیل بوجھ زبردستی ڈالا ہے اسے سخت سے سخت سزا دے... سزا دے.... سزا دے..."

مستجاب الدعوات کی دعا قبول ہوئی۔ مستجیب الدعوات نے ندیم کو کڑی سزا دی۔ دوسری صبح زاہدہ سوکر اٹھی تو اسے ماں نے خبر سنائی۔

"بیٹی سنا تم نے.... ندیم بدبخت کو لقوی ہوگیا ہے۔"

"شکر ہے رب العزت کا.... جس منہ سے اس نے مجھ پر بہتان لگایا وہ منہ ہی ٹیڑھا ہوگیا۔"

زاہدہ نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعائیہ انداز میں جواب دیا۔

○☆○

زاہدہ خوب سیرت وخوب صورت تھی۔ اللہ نے جلد ہی اسے نعمت غیر مترقبہ سے نواز دیا۔ اسے حشمت کی صورت میں ایک نگینہ مل گیا۔ جسے اس نے اپنی زندگی کی انگوٹھی میں جکڑلیا۔ اس کی زندگی میں حشمت آیا تو اس کی زندگی میں بہار آگئی۔ اس کے دل کا چمن کھل اٹھا۔ اس کی ویران آنکھوں میں دنیا جہان کی خوشیوں نے بسیرا کرلیا۔ اس کا وقت خوشیوں کے ساتھ جھومتے گزرنے لگا۔ اس کے بطن سے خوب صورت شہزادے نے جنم لیا جس کا نام شہزاد رکھا گیا۔

زاہدہ تو حشمت کے مل جانے سے پہلے ہی خوشیوں کی ندیا میں غوطے لگانے لگ گئی تھی۔ شہزاد جو ملا تو اس کی ندیا وسیع ہوگئی۔ اس کی خوشیاں ہر طرف پھیل گئیں۔

وقت حالات کے ساتھ ساتھ رینگتا رہا۔ شہزاد نے میڈیکل پاس کرلیا۔ اس کی لاہور کے ایک معروف اسپتال میں تعیناتی ہوگئی۔ ماں باپ کو اس کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ ایک روز اس کے والد نے پیار و چاہت سے پوچھا۔

"بیٹا۔ ہم تمہیں کسی حسینہ کی زلفوں میں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تاکہ تم گھر کے ہوکر رہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم خود ہی بتادو کہ ہم کس دوشیزہ کے بالوں سے تمہیں باندھیں؟"

"ابو.... آپ مجھے گل بکاؤلی.... گل..."

"ہاں... ہاں.... بولو بیٹا۔"

"ابو آپ گل سے میری شادی کردیں۔"

پھر شہزاد کے بتائے ہوئے پتے پر اس کی نانی' امی اور ابو گل بکاؤلی کے گھر گئے۔ لیکن شہزاد کے ابو نے گل کو پسند کرنے کے باوجود گل اور شہزاد کو شادی کے بندھن میں باندھنے سے انکار کردیا (شہزاد کے ابو نے گل کو کیوں ٹھکرایا۔ اس کے لئے میرا ناول گہن لگا چاند پڑھیئے۔)

گھر آکر شہزاد کے ابو حشمت نے اپنے بیٹے کو صاف صاف بتادیا۔

"بیٹا شہزاد۔ گل کو بھول جاؤ۔ تمہاری اس کے ساتھ شادی نہیں ہوسکتی۔"

"آخر کیوں.... کیا گل بدصورت ہے... کیا گل کے ماں باپ کا اسٹیٹس ہم سے کم ہے۔"

ہے تو خوب صورت.... لیکن ہم اسے بہو بنانا پسند نہیں کرتے۔

"گل کے ساتھ میری شادی ہوگی.... ضرور ہوگی" شہزاد نے ذرا غصے میں کہا۔

"شادی نہیں ہوگی.... نہیں ہوگی" باپ نے گرج کر کہا۔

"کیسے نہیں ہوگی" شہزاد نے بھی غصے میں کہا۔

اس تکرار میں حشمت نے بیٹے کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ بیٹا بھی طیش میں آکر باپ کو تھپڑ مارنے والا ہی تھا کہ اس کی ماں زاہدہ بیچ میں آگئی۔ اور شہزاد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اول فول بکتا گھر سے نکل کر سسرال کے گھر چل دیا۔

جب شہزاد اپنی سسرال کے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ گل اس کی امی اور ابو کار میں بیٹھے تھے اور کار اسٹارٹ تھی۔ اس کے استفسار پر گل کے ابو نے کہا۔

"بیٹا۔ ہم تمہارے گھر ہی جارہے ہیں... آؤ کار میں بیٹھ جاؤ۔"

شہزاد کار میں بیٹھ گیا تو گل کے ابو عظمت نے ایکسیلیٹر دبادیا۔ کار شہزاد کے گھر کی طرف فراٹے بھرنے لگی۔

جونہی وہ چاروں افراد گھر پہنچے تو ان کے دل دہل گئے۔ وہ یہ دیکھ کر مرقع حیرت و تاسف بن گئے کہ شہزاد کے ابو امی اور نانی تینوں اللہ کو پیارے ہوچکے تھے۔ ان پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ شہزاد تو بلک بلک کر رونے لگا۔ پھر جب ان تینوں کے جنازے گھر سے اٹھے تو اہل محلّہ کے دلوں پر بھی غموں کی چادر بچھ گئی۔ فلک بھی رو پڑا۔

○☆○

پیاروں کی الم ناک موت کے دو ماہ بعد شہزاد نے گل سے شادی کرلی۔ شادی ہونے کے باوجود وہ اکثر مغموم رہتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو والدین اور نانی کا قاتل سمجھتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جب اپنی مرحومہ ماں کا روتا و فریاد کرتا ہوا ہیولا آتا تو اس کا جگر پھٹ جاتا۔

"بیٹا.... خدا کے لئے گھر چھوڑ کر نہ جاؤ۔ نہیں تو میں مرجاؤں گی۔"

اکثر خوابوں میں بھی اس کی ماں آتی تو وہ چیخ مار کر اٹھ پڑتا۔ وہ ذہنی مریض بن چکا تھا۔ اس کی ذہنی حالت نارمل نہیں رہی تھی۔ ہنس مکھ اور باتونی ہونے کے باوجود اسے چپ لگ گئی تھی۔ محفل میں بیٹھا ہوتا یا کسی کام میں مصروف ہوتا تو صاف پتا لگتا تھا کہ وہ دماغی طور پر غیر حاضر اور کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی چیز کہیں رکھ کر بھول جاتا پھر اکثر بیوی کے ساتھ جھگڑا کرتا "فلاں چیز میں نے یہاں رکھی تھی۔ وہ تم نے کہاں پھینک دی ہے۔"

شروع شروع میں تو گل اپنے خاوند کی تلخ و ترش باتوں کا جواب ہنس کر دے دیتی اور گھر کے ماحول کو خوش گوار رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرتی رہی۔ آخر کار وہ فطرت سے مات کھا گئی۔ اس نے بھی اسے جواب دینا شروع کردیا۔ آئے دن ان کے درمیان جھگڑا ہونے لگا۔ اور ان کی ازدواجی زندگی کی عمارت میں دراڑیں پڑ گئیں۔

ان کے جھگڑے و فساد کی بھنک ان کے بزرگوں یعنی گل کی امی اور ابو تک بھی پہنچ گئی۔ وہ اکثر ان دونوں کو سمجھاتے اور گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کی تلقین کرتے۔ عظمت اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا۔

"بیٹی۔ شہزاد کے اوپر سوگ کی کیفیت طاری ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے والدین کا قاتل ہے۔ اور یہ ہے بھی سچ... اس لئے کہ وہ ذہنی مریض بن چکا ہے.... اب یہ تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم پیکر وفا و ایثار بن کر شوہر کو موت کی دلدل میں گرنے سے بچاؤ۔"

پھر شہزاد کی غیر حاضر دماغی کا چرچا گھر سے باہر اسپتال کی دیواروں تک بھی پہنچ گیا۔ ایک روز وہ وارڈ کا دورہ کررہا تھا کہ اس نے ایک مریض کی فائل میں لکھا۔

"اس کو انجکشن لگادیا جائے۔"

"سر۔ اس مریض کی تو صرف پٹی تبدیل کرنی ہے" سسٹر مسرت نے حیران ہو کر کہا۔

"او۔ آئی ایم سوری ..... مریض کی بینڈج تبدیل کردی جائے" سسٹر کے کہنے پر اس نے انجکشن پر لکیر پھیر کر بینڈج تبدیل کرنے کا لکھ دیا۔

"اس مریض کو اسپرین کی دو گولیاں دی جائیں" شہزاد نے دوسرے مریض کے بیڈ کے پاس جاکر اس کی فائل میں لکھا۔

"سر۔ اس مریض کے سر کی پٹی تبدیل کرنی ہے۔"

"او آئی ایم سوری" شہزاد نے افسردہ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سسٹر مسرت نے دوسرے روز شہزاد کی غیر حاضر دماغی کا کیس میڈیکل آفیسر انچارج تک پہنچادیا۔ مسرت نے شہزاد کی رپورٹ اس لئے کی تھی کہ ایک تو شہزاد اسے بلاوجہ تنگ کرتا تھا دوسرے وہ ایم او آئی کی خوشنودی بھی حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ایم او آئی نے بلا تاخیر شہزاد کو اپنے آفس میں بلا کر وارننگ دی۔

"شہزاد۔ آج کل تمہاری ذہنی کیفیت کچھ اچھی نہیں ہے.... اگر تم نے اپنے آپ پر کنٹرول نہ کیا تو تمہاری غیر حاضر دماغی تمہارے اور ہم سب کے لئے باعث خطرہ بن سکتی ہے .... اگر کسی مریض کی موت واقع ہوگئی ... تو تم تو جیل کی ہوا کھاؤ گے ہی لیکن ہمارے اسپتال کی شہرت کو بھی نقصان پہنچے گا.... اس لئے میں تمہیں پہلی اور آخری وارننگ دیتا ہوں کہ تم ڈیوٹی پر اپنے دماغ کو حاضر رکھا کرو... نہیں تو تمہیں نوکری سے برخاست کردیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے سر" شہزاد نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

"اوکے .... اب تم جاسکتے ہو" ایم او آئی نے قدرے تحکمانہ انداز میں کہا۔

○☆○

ندیم کا پری میڈیکل کا نتیجہ نکلا تو وہ اے ون گریڈ میں پاس ہوا۔ اس نے ۸۵۰ نمبر لیے۔ اسے لاہور کے میڈیکل اسپتال میں داخلہ مل گیا۔ وہ اور اس کے والدین بہت مسرور تھے۔ ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

بارہویں جماعت کے امتحان سے چند روز پہلے اسے لقوہ ہوگیا تھا۔ قطر کے معروف محمد جنرل اسپتال میں اس کا علاج ہوا تو وہ کافی حد تک ٹھیک ہوگیا تھا لیکن جب وہ ہنستا یا باتیں کرتا تو اس کا منہ دائیں جانب ہلکا سا ٹیڑھا ہوجاتا۔

جب اس کے والد مراد خان پہلے روز اسے میڈیکل اسپتال کے ہاسٹل میں چھوڑ گئے تو سینئر طلبہ نے اس کا خوب مذاق خوب اڑایا۔ وہ جان گئے تھے کہ باتیں کرتے ہوئے اس کا منہ ٹیڑھا ہوجاتا تھا۔ اس لئے پہلے دن سے ہی طلبہ نے اسے

چپتا (ٹیڑے منہ والا) کہہ کر خوب مذاق اڑایا۔

سونے سے پہلے تین سینئر طلبہ اس کے کمرے میں گھس آئے۔ اسے چاقو دکھا کر اس سے بے ہودہ مسخری بھی کی اور اس سے اس کا سب جیب خرچ بھی لے لیا۔

دوسرے روز ندیم صبح اٹھا۔ باتھ روم میں گیا۔ نہا رہا تھا تو ایک شرارتی طالب علم اس کی شلوار اٹھا کر لے گیا۔ وہ بے چارہ شور مچاتا رہا لیکن اسے شلوار واپس نہ دی گئی۔ آخر وہ صرف قمیص پہنے باہر آیا اور دوڑ کر کمرے میں گھس گیا۔ اور زاروقطار رونے لگا۔

ندیم کلاس روم میں گیا تو اس کے اپنے کلاس فیلوز نے بھی پہلے دن ہی اس کا خوب مذاق اڑایا۔ جو بھی اس سے بات کرتا تضحیک آمیز لہجے میں بات کرتا اور اسے خطاب سے ضرور نوازتا۔

"اوئے۔ ٹیڑھے منہ والے۔ ذرا بات تو سن۔"

شام کو ندیم کے والد اسے ملنے آئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رودیا۔ والد کے استفسار پر اس نے انہیں اپنی رام کہانی سنادی اور روتے روتے اپنا فیصلہ بھی سنادیا۔

"ابو۔ میں کالج میں نہیں پڑھوں گا.... نہیں پڑھوں گا.... آپ اسی وقت مجھے گھر لے چلیں ورنہ میں دیوار کے ساتھ ٹکریں مار مار کر مرجاؤں گا۔"

ندیم کے بلک بلک رونے اور نہ پڑھنے کی فریاد سن کر مراد کا کلیجہ کباب ہوگیا۔ وہ ندیم کو ہوسٹل سے گھر لے آیا۔

چھٹی ختم ہونے سے پہلے ہی مراد اپنے لخت جگر کو قطر لے آیا۔ مراد کا شمار پاکستانی معززین میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے بااثر افراد سے تعلقات تھے۔ اس نے چند روز اندر ندیم کو ایک معروف قطری بینک میں ملازم کرادیا۔

○☆○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قاضی رفیع الدین تو مراد خان کے بیٹے ندیم کی بد فعلی کی بنا پر ان کے پڑوس کے مکان کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں چلے گئے تھے اور ان کے خالی کیے ہوئے مکان میں دوسرے کرایہ دار عبدالجلیل آگئے تھے۔ ان کی فیملی بڑی مختصر تھی۔ ایک بیوی ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ بیٹے کی عمر بارہ سال اور بیٹی کی عمر آٹھ سال تھی۔ وہ دونوں بڑے ہنس مکھ تھے۔ چند دنوں کے اندر ان کے مراسم مراد خان اور اس کی فیملی کے ساتھ رشتے داروں جیسے ہوگئے۔ بلکہ مراد خان اور جلیل تو ایک دوسرے کو سگے بھائی سمجھنے لگے۔

ندیم بینک میں ملازم ہوگیا تو مراد اور اس کی بیوی توحید کو ندیم کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ چونکہ ان کے خاندان میں کوئی پڑھی لکھی دوشیزہ نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے چند جان پہچان والوں سے جن کی بیٹیاں جوان اور خوبصورت تھیں ندیم کے لئے رشتہ مانگا لیکن ہر ایک نے رشتہ دینے سے انکار کردیا۔ شاید ندیم کے منہ کے ٹیڑھے پن کی وجہ سے ہر طرف سے انکار ہونے لگا۔ اگرچہ کہ اس کے منہ کا ٹیڑھا پن بہت خفیف سا تھا۔ جب وہ باتیں کررہا ہوتا تو غور سے دیکھنے پر ہی تو پتا چلتا تھا۔ باتیں کرتے وقت اس کا دایاں ہونٹ ذرا اوپر ہوجاتا تھا۔ چونکہ اس کے جاننے والوں کو پتا تھا کہ کچھ عرصے پہلے ندیم کو لقوہ ہوچکا تھا اس لئے وہ اس کے منہ کے ہلکے سے ٹیڑھے پن سے بخوبی واقف تھے۔

کچھ ماہ ہی گزرے ہوں گے کہ عبدالجلیل کی بیوی شائلہ نے ندیم کی ماں توحید سے کہا "توحید بہن۔ میری چھوٹی بہن رخشندہ ہے۔ خوب صورت بھی ہے اور خوب سیرت بھی.... اگر آپ کہیں تو میں ندیم کو رخشندہ کی زلفوں میں اسیر کرنے کی کوشش کروں۔"

"کیوں نہیں دلہن..... آپ ضرور کوشش کریں" توحید نے فرط مسرت سے جواب دیا۔

"اچھا۔ میں چند ہفتوں کے اندر اسے وزٹ ویزے پر یہاں بلا لوں گی۔ آپ

اسے دیکھ لیجئے گا.... اگر آپ کو وہ پسند آجائے تو پھر دونوں کو شادی کے بندھن میں جکڑ دیں گے۔"

"شائلہ۔ تم اپنی بہن رخشندہ کو یہاں نہ بلاؤ.... ہم خود اڑ کر اس کے پاس جائیں گے اور اسے اپنے گھر کی شمع بنالیں گے جس کی روشنی سے ہمارے قلوب بھی فروزاں ہوجائیں گے۔"

"لیکن آج کل تو وہ لاہور میں اپنے ماموں فرخ کے پاس رہ رہی ہے" شائلہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تو کیا ہوا۔ ہم لاہور جاکر اپنی رخشندہ .... رخشی کو دیکھ لیں گے ... لیکن رخشی ماموں کے پاس کیوں رہ رہی ہے" توحید نے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ ماموں فرخ کی ہی بیٹی ہے۔ ماموں جان کی شادی کو دس برس گزر گئے اور انہیں اپنی بیوی رضیہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے رخشی کو اپنی بیٹی بنالیا۔ اسی وقت رخشی کی عمر صرف چھ برس تھی" شائلہ نے جواب دیا۔

"تو پھر تو تمہارے ماموں بہت اچھے ہیں کہ جنہوں نے اولاد کی خاطر دوسری شادی نہیں کی" توحید نے کہا۔

"ہاں بہن .... میرے ماموں بہت اچھے ہیں" شائلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایک ماہ کے اندر مراد اپنی بیوی توحید اور ندیم کو لے کر لاہور پہنچ گیا۔ ان تینوں کو رخشی بہت پسند آئی۔ ندیم اور رخشی کی منگنی کردی اور تین ماہ کے بعد شادی کی تاریخ مقرر کی۔

مقررہ تاریخ کو ندیم اور رخشندہ کی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ برات پنجاب کے ایک گاؤں ڈنڈوٹ ضلع چکوال سے پانچ کاروں' دو بسوں اور ایک ٹرک کے قافلے کے ساتھ صبح آٹھ بجے لاہور کے لئے روانہ ہوئی۔ سب سے آگے دولہا کی کار تھی۔ دولہا کی کار کے پیچھے والی بس میں اس کے قریبی رشتے دار اور بینڈ باجے والے بیٹھے تھے۔ جب بھی کوئی شہر یا گاؤں آتا تو بینڈ باجے والے شادی کے گانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاتے جب کہ بس میں سوار تالیاں بجاتے اور کچھ من چلے رقص کرتے۔ دولہا کی کار کے آگے وڈیو فلم بنانے والوں کی وین تھی۔ جو مسلسل فلم بنا رہے تھے۔ ٹرک میں کچھ فالتو قسم کا سامان رکھ دیا گیا تھا ویسے وہ دلہن کا جہیز لانے کے لئے مخصوص تھا۔

ڈنڈوٹ سے لاہور بس کے ذریعے جانے کے لئے عموماً ۷ گھنٹے لگتے تھے۔ لیکن برات کھیوڑہ' پنڈدادن خان' ہرن پور' جلال پور شرف' رسول ڈیم' ڈنگہ' لالہ موسیٰ' گجرات' وزیر آباد' راہوالی' گوجرانوالہ اور کامونکی ہوتے ہوئے تقریباً دس گھنٹے کے بعد بوقت ۶ بجے شام شاہدرہ کی حدود میں داخل ہوئی جب کہ سورج اپنے دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد نیند کی آغوش میں جا رہا تھا۔ اور چہار سو ملگجی اندھیرا پھیل چکا تھا۔

شاہدرہ میں جی ٹی روڈ کے بائیں طرف عظیم مغل بادشاہ جہانگیر اور اس کی ملکہ نورجہاں کا مقبرہ ہے۔ ان کی محبت لازوال کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے برات نے جی ٹی روڈ پر جہانگیر کے مقبرے کے سامنے خوب دھمال ڈالی۔ آس پاس گزرنے والوں کا میلہ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد دولہا کے باپ مراد اور دیگر معززین کو احساس ہوا کہ ٹریفک جام ہو چکی تھی۔ اب ان کے لئے وہاں سے شادی کے جلوس کو نکالنا مشکل ہو گیا تھا۔ چھوٹے بچوں کی چیخ وپکار الگ ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھی۔ لہٰذا ان سب نے جلوس کو آگے بڑھنے کے لئے کہا۔

خدا خدا کر کے دو گھنٹے کی تگ ودو کے بعد دولہا کا جلوس شاہدرہ سے نکلا اور راوی پل کو کراس کر کے لاہور کی حدود میں داخل ہوا۔

برات کو دلہن کے گھر ۶ بجے شام پہنچنا تھا لیکن شادی کا جلوس تقریباً ساڑھے دس بجے پہنچا۔ ابھی براتی دائرے کی شکل میں بھنگڑا ڈال ہی رہے تھے کہ نہ جانے کہاں سے بادل آ گئے اور رم جھم مینہ برسنے لگا۔ براتیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ کاروں اور بسوں میں گھس گئے۔

دلہن کے ماموں فرخ حیات' دولہا' اس کے ابو امی اور قریبی رشتے داروں کو اپنے گھر لے گئے لیکن دوسرے براتی اس وقت تک بسوں اور کاروں میں بیٹھے رہے۔ جب تک بارش تھم نہ گئی اور اڑوس پڑوس میں ان کی رہائش کا بندوبست نہ کر دیا گیا۔ فرخ نے برات کے ٹھہرنے کا بندوبست اس لئے نہیں کیا تھا کہ اگر برات بروقت پہنچ جاتی تو نکاح اور کھانے کے بعد برات نے واپس چلا جانا تھا لیکن بارش تو ان کے پروگرام کو تہس نہس کر دیا مجبوراً براتیوں کو کھانا بھی بسوں میں کھلایا گیا۔

دنیا کا دستور ہے کہ ایک گھر میں خوشیاں منائی جا رہی ہوتی ہیں تو دوسرے گھر میں ماتم بپا ہوتا ہے۔ کسی گھر میں جنم دن منایا جا رہا ہوتا ہے اور کوئی گھر ماتم کدہ بنا ہوتا ہے۔ کسی جگہ فرط مسرت میں ہوائی فائر چل رہے ہوتے ہیں اور کہیں بے کسوں پر گولیاں چل رہی ہوتی ہیں۔ کہیں نازک تتلی رقص و سرود کی محفل میں اپنے خوبصورت جسم کے شرارے چھوڑ کر شرکائے رقص کے دلوں کو گرما رہی ہوتی ہے اور ان کی آنکھوں کو چندھیا رہی ہوتی ہے تاکہ وہ اندھے اور بہرے بن کر اس کی حسین زلفوں میں جکڑے جائیں اور کہیں مرد حضرات پیکر وفا حوروں کو اپنے جنسی شکنجوں میں جکڑ رہے ہوتے ہیں۔

عین بعین چند ثانئے پیشتر ندیم کی شادی پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں بینڈ باجے بج رہے تھے۔ لڈی ڈل رہی تھی۔ من مچل مچل رہے تھے۔ کہ کسی جانب سے سرکش بدلی آئی اور اس نے جوش میں اپنا جھروکا کھول دیا۔ رم جھم پھوار برسی تو خوشیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ براتیوں کے چہرے شکستہ پھولوں کی طرح مرجھا گئے۔ وہ شادی کو بدشگونی کی علامت سمجھنے لگے۔ اکثر کے بھیگے ہونٹوں پر اداسی بکھری ہوئی تھی اور ان سے بکھرے بکھرے لفظ نکلتے تھے۔

"کاش! اس شادی میں شرکت نہ کرتے۔"

اس کے برعکس شادی کے گھر کے آس پاس بسنے والے فخر سے کہہ رہے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دلہن بھاگوان ہے کہ جس کی شادی پر ابر رحمت برسا ہے۔ موسم سہانا ہوگیا ہے... گرمی کی شدت کم ہوگئی ہے... نہیں تو کتنے عرصے سے اللہ کے نیک بندے دعائیں مانگ رہے تھے کہ بارش ہو لیکن بارش تو ہونے کا نام نہ لیتی تھی.... شاید اللہ ہمارے اعمال سے ہم سے روٹھ گیا تھا... اب رخشندہ کی شادی پر مینہ برسا ہے۔... رخشی نیک بخت ہے... راج کرے گی راج۔"

واقعی بارش کے تھمنے کے بعد موسم سہانا ہو بھی گیا تھا۔ فضا رنگین ہوگئی تھی' شبنمی ہوا کے جھونکے دل ودماغ کو تازگی بخش رہے تھے۔

بلاشبہ براتیوں کے کپڑے گیلے ہوچکے تھے اور کچھ وقت کے لئے شادی کے رنگ میں بھنگ پڑگیا تھا۔ براتیوں کو کھانا بھی بے سروسامانی کی حالت میں کھانا پڑا تھا۔ بارش ایک گھنٹا برسی تھی۔ ایک گھنٹے کے بعد موسم حسین ہوچکا تھا۔ وہ اپنا حسن فضاؤں میں بکھیر رہا تھا۔ آسمان پر بدلیاں ٹوٹ چکی تھیں اور ادھرادھر آوارہ پھررہی تھیں۔ شرارت میں آتیں تو چاند سے آنکھ مچولی کھیل لیتیں۔ کبھی چاند کو اپنے حصار میں لے لیتیں اور کبھی چاند سے دور بھاگ جاتیں اور چار سو نکھری نکھری چاندنی بکھیردیتیں اور دولہا کے ہمراہیوں کے چہرے دمکادیتیں۔ وہ شادو خرم ہوجاتے۔

اسی سہانے موسم میں صبح کی اذان ہوئی۔ آہا... موذن کی کتنی سریلی آواز تھی۔ اس آواز نے براتیوں کے کانوں میں انگبیں کا رس گھول دیا۔

مطلع صاف ہونے پر ان کے کملائے ہوئے چہرے کھل چکے تھے۔ لاالہ کی آواز نے ان کے اذہان اور قلوب کو تروتازہ کردیا۔ وہ کھل اٹھے۔ ان میں بہت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلے گئے اور باجماعت نماز ادا کی۔

نماز کے آدھے گھنٹے کے بعد ندیم اور رخشندہ کا نکاح ہوا۔ رخصتی تقریباً صبح سات بجے ہوئی۔ اس وقت صبح کا سورج ڈھلی وروپہلی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ چار سو قوس وقزح کے رنگ بکھرے تھے۔ دلہن اپنے اعزا واقارب سے ملنے کے بعد

پھولوں سے لدی ہوئی کار میں بیٹھ چکی تھی۔ جب کہ دولہا سسرالی رشتے داروں سے مل رہا تھا۔ آخر میں وہ سسر اور ساس سے بھی ملا۔ لیکن کوئی خاص بات نہ کرسکا۔ پھر وہ دلہن کے پدر' مادر اور ماموں وممانی کی دعاؤں کے ساتھ دلہن کے بائیں ہاتھ پر بیٹھ گیا جبکہ اس کی ماں توحید پہلے ہی دلہن کے دائیں طرف بیٹھی تھی۔ ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر اس کے والد گرامی مراد براجمان تھے جبکہ ڈائیور کی نشست اس کے جگری یار فیض احمد نے سنبھال رکھی تھی

پھر شادی کا قافلہ روانہ ہوا تو بینڈ ماسٹر کے حکم پر بینڈ باجے بج اٹھے۔ ان کی سریلی دھنوں میں پنجاب کے معروف لوک گیت فضاؤں میں گونجنے لگے۔

"بابل دا ویہڑا چھڈ کے۔ ویراں تو دور چلی۔"

قافلے کی منزل ایک پہاڑی گاؤں اور پرفضا مقام ڈنڈوٹ تھا۔

ڈنڈوٹ پنجاب میں ضلع چکوال کا ایک چھوٹا سا شہر ہے لیکن اس کی وجہ شہرت نمک کا پہاڑ ہے جس پر وہ آباد ہے۔ یہاں معدنی اشیا کوئلہ' جپسم' نمک' سوڈا ایش وغیرہ کی بہتات ہے اور سیمنٹ کی بہت بڑی فیکٹری ہے۔ لیکن جس زمانے میں ندیم اور رخشندہ کی شادی ہوئی تھی اس وقت ڈنڈوٹ تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم کا گاؤں تھا۔ پنڈدادن خان جو کبھی کمشنری تھا اور ۱۸۵۷ء تک ضلع ہیڈ کوارٹر تھا۔ بعد میں تحصیل بنا.... اس تحصیل سے حکومت پاکستان کو اربوں روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ پنڈدادن خان کبھی دلکشی اور رعنائی کے ارفع مقام پر تھا۔ اس دیدنی شہر کے چاروں اطراف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ اس کے گوشے گوشے میں بسنت بہاراں رقصاں رہتی تھی۔ ہر طرف فرحت وشادمانی میں سرشار ٹھاٹھیں مارتا انسانوں کا سمندر نظر آتا تھا۔ اس کے لہلہاتے کھیت' دلکش باغات' خوب صورت تالاب' اونچے اونچے درخت اور بلندوبالا خوب صورت عمارتیں جنت کا نظارہ پیش کرتی تھیں۔ شہر کے جنوب کی طرف منہ زور دریائے جہلم منقسم ہوکر بڑی آن وبان کے ساتھ بہتا تھا۔ شمال کی طرف ایک بل کھاتی نہر پوری جوبن کے ساتھ کھیتوں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مست فضاؤں میں اپنی رحمت کی کرنیں بکھیرتی تھی۔ ۳۶۰ کے قریب کنوؤں کے چرخ چلنے کی سریلی آواز کانوں میں امرت کا رس گھولتی تھی۔ لوگ بذریعہ کشتی بیلہ کے سبز زاروں اور کشت زاروں میں سیروتفریح کے لئے جاتے اور سرگودھا کے معروف تاریخی شہر میانی اور بھیرہ جو چند میل کے فاصلے پر ہیں ان کی بھی سیر کرلیتے۔

آہ اس شہر کو نظر لگ گئی اور ایک مطلق العنان بادشاہ نے بیاس، ستلج اور راوی کے دریاؤں کو اپنے پڑوس اور عیار دشمن کے ہاتھوں بیچ دیا۔ ورلڈ بینک کی مدد سے منگلا ڈیم تیار ہوا تو دریائے جہلم میں پانی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ پنڈدادن خان کے ساکنان دریائے جہلم کے پانی سے محروم ہوگئے۔ نہر بند ہوگئی۔ پانی کم ہوا تو کھیوڑہ کے مقام پر سوڈا ایش کی فیکٹری کے فضلات نے اپنا کرشمہ دکھایا۔ اس نے زمین میں جذب ہوکر پنڈدادن خان کی زمین کو بنجر بنادیا.... پھر نہلے پر دہلے کا کام ڈنڈوٹ سے ہی ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں منتخب ہونے والے قومی اسمبلی کے ممبر راجہ محمد افسر نے کیا۔ اس نے اپنی مساعی مخفی سے تحصیل پنڈدادن خان کے حصے بخرے کرکے اس کے شمالی علاقہ جات چوہا سیدن، قلعہ روہتاس، سلوئی، بشارت وغیرہ جوکہ کوہستان نمک کے شمال کی طرف پڑتے ہیں۔ انہیں ضلع چکوال سے ملادیا۔ جو ضلع جہلم سے الگ ہوکر نیا ضلع بنا تھا۔ اس طرح ارباب اختیار نے تحصیل پنڈادادن خان کی چوڑائی کو صرف پانچ میل کی حدود تک سمیٹ کر غزہ کی پٹی بنادیا۔

مذکورہ علیحدہ ہونے والے علاقوں کی قسمت جاگی اور ۱۹۸۸ء کے قومی الیکشن میں انہیں جنرل مجید کی صورت میں فرشتہ صفت ایم این اے مل گیا۔ انہوں نے ضلع چکوال کی کایا پلٹ دی۔ ان سے پہلے جنرل سوار خان نے مندرہ سے چکوال تک ڈبل روڈ بنواکر چکوال اور اس کے آس پاس کے علاقے کے باسیوں پر ایک احسان عظیم کیا تھا۔ جس سے ٹرانسپورٹ میں انہیں سہولتیں بھی حاصل ہوگئیں

اور چکوال سے راولپنڈی کے درمیان فاصلے میں خاطر خواہ کمی آگئی تھی۔ لیکن جنرل مجید نے تو چکوال سے سوہاوہ، چکوال سے خوشاب۔ چکوال سے چوہا سیدن شاہ وغیرہ تک چوڑی روڈیں بنواکر ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ انہوں نے چوہا سیدن کو تحصیل کا درجہ بھی دلوادیا۔"

لیکن جب ندیم کی شادی ہوئی تھی تو ڈنڈوٹ اور چوہا سیدن شاہ تحصیل پنڈ دادن خان میں آتے تھے۔ چکوال سے چوہا سیدن شاہ اور پنڈ وادن خان روڈ ایک پگڈنڈی تھی اور جگہ جگہ ٹوٹی پھوٹی تھی۔ ندیم کی شادی کی برات براستہ کھیوڑہ، پنڈ دادن خان، جلال پور، جہلم، گجرات گئی تھی۔ جاتے ہوئے انہوں نے پنڈدادن خان سے جہلم تک کی سڑک نہایت ناگفتہ بہ حالت میں دیکھی تھی۔ لہٰذا بزرگوں نے برات کی واپسی کا منصوبہ جہلم سے سوہاوہ، چکوال، چوہا سیدن شاہ اور ڈنڈوٹ آنے کا بتایا۔

برات لاہور سے سوہاوہ تک لاہور سے پشاور جانے والی مین روڈ پر رواں دواں رہی۔ سوہاوہ پہنچ کر وہ چکوال کی طرف جانے والی ایک تنگ روڈ پر آگئی اور چکوال کی طرف چلی اور پھر چکوال سے چوہا سیدن شاہ و پنڈدادن خان روڈ پر ڈنڈوٹ کی جانب رواں دواں ہوگئی۔

عجیب اتفاق ہوا کہ چکوال میں تو سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا لیکن چوہا سیدن شاہ کی طرف گہرا اندھیرا چھایا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد موسلا دھار بارش بھی شروع ہوگئی۔ چونکہ دولہا کی کار کے وائپر کام نہیں کررہے تھے۔ مجبوراً کار ڈرائیور فیض نے کار کو سڑک کے کنارے کھڑا کردیا۔ شادی کا پورا جلوس کھڑا ہوگیا۔ جب آدھے گھنٹے تک بارش کی رفتار میں کمی نہ آئی تو دلہن کے باپ مراد نے فیصلہ کیا کہ دولہا اور دلہن کو دوسری کار میں بٹھاکر سفر جاری رکھا جائے۔ ندیم کی ماں دوسری کار میں گھس گئی اور مراد صاحب بذات خود ٹرک میں بیٹھ گئے جس پر ترپال لگادیا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رخشی لمبے سفر سے ویسے ہی تھک چکی تھی۔ اس کا نازک جسم چورچور ہوچکا تھا۔ شومئے قسمت وہ جس سڑک پر سفرکررہی تھی وہ جگہ جگہ سے شکستہ تھی۔ بارش الگ ہورہی تھی۔ ایسے میں کار تھوڑے تھوڑے فاصلے کے بعد اچھلتی۔ ایک دو دفعہ اس کا سر کار کی چھت سے بھی ٹکرایا۔ اسے درد تو بہت ہوا لیکن اس نے تکلف میں اف تک نہ کی۔ پھروہ سر کو ٹکرانے سے بچانے کے لئے سکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کا بدن ٹوٹ کر پھیکا ہوگیا۔ اس نے سر جھکالیا۔

قافلہ پڈھ پہنچا جہاں سے اس نے ڈنڈوٹ کی طرف مڑنا تھا۔ نحوست بخت وہاں تو گھٹنوں تک پانی کھڑا تھا۔ دلہن کی کار سائلنسر میں پانی گھس جانے کے سبب بند ہوگئی۔

دولہا والوں کی اقبال مندی تھی کہ اس وقت دونوں بسیں اور ٹرک بحسن وخوبی پانی سے گزر کر ڈونڈوٹ روڈ پر آچکی تھیں۔ چونکہ دلہن کا کوئی اور محرم تو تھا نہیں۔ لہٰذا مراد نے دلہن بہو کو پانی میں پھنسی کار سے اٹھاکر براتیوں کی بس میں لاکر بٹھادیا۔ دولہا ندیم نے جوتے اتار کر اپنا ایک قدم پانی میں رکھا ہی تھا کہ اس کا یار فیض اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اسے اٹھاکر بس میں بٹھایا۔ اور پھر دوبسوں اور ایک ٹرک پر مشتمل قافلہ ڈنڈوٹ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ایک کار تو چکوال موڑ پر ہی کھڑی کردی گئی تھی۔ دوسری کار جس میں دلہن دوبارہ بیٹھی تھی وہ بند ہوگئی تو باقی تین کاروں کو بھی وہیں کھڑا کردیا گیا تاکہ وہ بھی پانی میں پھنس کر روڈ کو مزید بلاک نہ کردیں۔

اللہ اللہ کرکے برات ڈنڈوٹ پہنچی۔ خوش قسمتی سے اس وقت تک بارش تھم چکی تھی۔ براتی بس اور ٹرک سے اترنا شروع ہوئے اور اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے۔ ان کے خشک لبوں سے عجب عجب قسم کے شگوفے پھوٹ رہے تھے۔

"کاش وہ شادی اٹینڈ نہ کرتے ..... کیسی منحوس دلہن ہے .... شادی تھی یا ماتم خانہ .... ہائے اللہ ایسی نحس شادی خانہ آبادی تو ہم نے زندگی بھر نہیں دیکھی۔

دلہن کے گھر برات پہنچی تو بارش آگئی۔ کپڑے گیلے ہوگئے۔ مزے کا کھانا نہ کھاسکے۔ راستے کی مصیبتیں الگ اٹھائیں اور اب گیلے کپڑوں کے ساتھ گھر پہنچے ہیں تو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں .... منحوس ہے دلہن ... کوئی چڑیل ہے .... چڑیل۔"

یہ بھی دلہن کی خوش قسمتی تھی کہ اسے تیز بخار ہوگیا تھا اور وہ نیم بے ہوش ہوچکی تھی۔ ورنہ اگر وہ اپنے سسرالی رشتے داروں وجان پہچان والوں کی طنز آمیز باتیں سنتی تو اس کا کلیجہ ضرور پھٹ جاتا۔

دلہن کو اٹھاکر اندر لایا گیا۔ مسہری پر لٹادیا گیا۔ دلہن کو تیز بخار تھا۔ فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے انجکشن لگادیا۔ دوائی دی اور مراد کو جاتے جاتے ہدایت کی۔

"دلہن کو تیز بخار ہے۔ اس کے ماتھے پر ٹھنڈی پٹیاں اس وقت تک رکھتے رہیں جب تک بخار کم نہ ہوجائے۔"

دلہن رخشندہ رات بھر نیم بے ہوش رہی اور اس کی خوش دامن توحید اس کی جبین پر برف رکھتی رہی .... علی الصباح رخشی کو ہوش آیا اور اس نے چائے مانگی۔

ندیم جو رات بھر حجرہ عروسی میں دلہن کے سرہانے رکھی کرسی پر بیٹھا اونگھتا اور اپنے زخمی دل پر ماتم کرتا رہا تھا' رخشندہ کی آواز سن کر کھل اٹھا اور فرط مسرت سے بولا۔

"میری رخشی ... رخشی ... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ..... تم ہوش میں آگئی ہو۔"

رخشی نے ہونٹوں پر تبسم سجائے اقرار میں سر کر جنبش دی۔ پھر اس نے بیٹھنے کی کوشش کی لیکن نقاہت اور حرارت کے باعث بیٹھ نہ سکی تو ندیم افسردہ لہجے میں گویا ہوا۔ "رخشی لیٹی رہو.... پلیز لیٹی رہو۔"

معا ندیم کی ماں توحید چائے بناکر لے آئی تو ندیم نے رخشی کو اٹھایا نہیں بلکہ لٹائے لٹائے چمچے سے چائے پلادی جبکہ رخشی بھیگے پھول کی طرح کھل کر چائے نوش کرتی رہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شب زفاف خوشیوں سمیٹے بغیر گزر گئی.... پھر یکے بعد دیگرے کئی راتیں گزر گئیں لیکن رخشندہ صحت یاب نہ ہوئی اور راتیں پھیکی پھیکی بیت گئیں۔ جب وہ قدرے صحت یاب ہوئی تو ندیم کے چھٹی کے دن ختم ہوگئے اور وہ دلہن کو اس کی خواہش کے مطابق لاہور ماموں کے پاس چھوڑ کر قطر آگیا۔ جب کہ اس کے والدین پاکستان میں ہی رہے۔

○☆○

قطر آنے کے بعد وہ اکثر رنجور ہوکر سوچتا "میری بھی کیا شادی ہوئی ہے .... گلاب کے پھول جیسی نازک سی' گوری سی' شہابی سی اور مہتابی سی لڑکی سے شادی ہوئی لیکن میں نہ اپنے ذہن کو مہکا سکا اور نہ من کو.... شادی کے دن بدشگونی۔ بدمزگی اور بدنامی الگ ہوئی۔ لاہور برات پہنچنے اور ڈنڈوٹ ڈولی آنے پر دونوں دن بارش ہوگئی اور شادی کا مزا پھیکا پڑگیا.... پھیکا ہی نہ پڑا بلکہ ساری کی ساری خوشیاں کافور ہوگئیں... مجھے نحوست کیوں دیکھنی پڑی اس کے پس پشت ضرور کوئی بات ہے ..... میں نے تو زندگی بھر کوئی گناہ نہیں کیا.... ماسوائے زاہدہ کی زندگی کے چمن میں تلخیوں اور رسوائیوں کے بیج بونے کے .... لیکن اس کی سزا تو مجھے انہی دنوں مل گئی تھی .... مجھے لقوہ ہوگیا تھا.... پھر اب مجھے کس گناہ کی سزا ملی ہے۔ ضرور زاہدہ کی بددعاؤں کی بازگشت عرش بریں پر سنائی دیتی ہوگی جس کے طفیل مجھے مزید سزا ملی ہے .... یہ مکافات عمل ہے .... یہ اللہ کی بارگاہ میں زاہدہ کی بدمناجات ہے۔ زاہدہ کی بددعا ہے .... بددعا۔"

پھر وہ روتے روتے بیڈ پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ زاہدہ اس کے گریبان کو پکڑ کر گرج رہی ہے۔

"بدبخت۔ تو ساری زندگی میری بددعاؤں کی آگ میں سلگتا رہے گا.... سلگتا رہے گا.... تیری قسمت نے تجھ سے کتنا بھیانک مذاق کیا ہے۔ یہی تیرے کردہ گناہ کی سزا ہے۔ تو زندگی بھر غموں کی آگ میں جلتا رہے گا۔"

پھر زاہدہ غائب ہوگئی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر وہ اپنے خواب اور قسمت پر ماتم کرتا رہا پھر اس نے ٹی وی آن کیا اور وی سی آر پر فلم دیکھنے لگا تو اس کے دل کو سکون مل گیا۔ رخشی کے قطر پہنچنے تک وہ گومگو کی کیفیت میں رہا۔ کبھی وہ دکھوں کی آگ میں جلتا اور کبھی رخشی کے حصول پر خوش ہوتا۔

ایک ماہ کے اندر اس نے رخشی کا ویزا حاصل کرلیا اور رخشی قطر آگئی۔ رخشی کے قطر آنے کے دن وہ بہت مسرور تھا۔ جمعہ کا روز تھا۔ جہاز کو رات کے گیارہ بجے آنا تھا۔ وہ پورا دن آڈیو کیسٹ پر یہی گانا سنتا رہا۔

بہارو پھول برساؤ.... میرا محبوب آیا ہے

ان دنوں قطر میں بھی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ مسلسل سات دنوں سے بارش ہورہی تھی۔ کبھی بارش تھم جاتی اور کبھی شروع ہوجاتی۔ جس روز رخشی کو آنا تھا۔ اس روز بھی رم جھم پھوار پڑرہی تھی۔ آسمان پر گہرے بادلوں کی دبیز چادر بچھی تھی۔ لیکن اس وقت ندیم کو بارش کی قطعی فکر نہ تھی۔ وہ تو بادل کو ابر رحمت گردانتا تھا۔ وہ تو بلیوں مینہ برسنے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ اس دن اس کا محبوب جو آرہا تھا۔ بادل مسکرا رہا تھا.... وہ بھی مسکرا رہا تھا۔ سہاگ رات کے لئے سجائے ہوئے کمرے کی ہر شے مسکرا رہی تھی۔ اسے ہر شے شاداب اور رعنائیوں سے بھرپور دکھائی دے رہی تھی۔ موسم نہایت خوب صورت تھا اور فضا میں دھنک رنگ بکھرے تھے۔

رات کے دس بجے وہ گھر سے نکلا۔ کار گیراج سے نکالی اور ائرپورٹ کی طرف چل دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہم زلف عبدالجلیل کی کار جارہی تھی۔ عبدالجلیل کی بیوی شمائلہ بھی اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ تقریباً ساڑھے دس بجے ائرپورٹ پہنچ گئے۔ جہاز صحیح وقت پر آگیا تقریباً ۱۲ بجے رات رخشی ارائیول لاؤنج سے باہر نکلی۔ ندیم نے جب رخشی کو دیکھا تو اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس کا دل بے قابو ہوکر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کے من میں خوشیوں کے دیپ جل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھے۔ اس نے لپک کر اپنے دل جانی کو خوش آمدید کہا۔ جبکہ جلیل نے اپنی سالی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور شمائلہ نے اپنی بہن کو گلے لگا کر خوب پیار کیا۔

ندیم نے سامان کی ٹرالی کو پکڑا اور پارکنگ لاٹ کی طرف چل پڑا۔ پیچھے پیچھے رخشی، شمائلہ اور جلیل بھی مسکراتے اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے آرہے تھے۔ ندیم کا دل ان کی سرور آمیز باتیں سن کر آپ ہی آپ لٹو ہو رہا تھا۔ لٹو کی مانند فرط مسرت سے جھوم رہا تھا۔

کار کے قریب پہنچ کر ندیم نے ڈرائیور کے ساتھ والی نشست کا دروازہ کھولا اور اپنے محبوب کو جلوہ افروز ہونے کے لئے کہا۔ رخشی نے شرماتے ہوئے اپنی بہن شمائلہ کی طرف دیکھا تو شمائلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میری پیاری بہنیا... شرماؤ مت.... اب تو ساری زندگی تم نے اس کے قفس حیات میں مقید ہو کر گزارنی ہے.... تو پھر اس کے ساتھ کار میں بیٹھنے کے لئے شرمانا کیا معنی دارد.... بیٹھ جاؤ.... شاباش بیٹھ جاؤ اور رخشی میٹھی ہنسیاں فضا میں بکھیرتے ہوئے کار میں براجمان ہو گئی۔ اور ندیم کار کے آگے سے ہو کر ڈرائیونگ سیٹ پر چوڑا ہو کر بیٹھ گیا۔ اور کار چلا کر اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ پیچھے جلیل کی کار چل رہی تھی۔ حسب پروگرام وہ جلیل کے گھر آئے۔ سب نے مل کر رات کا کھانا کھایا اور جلیل اور شمائلہ سے آشیرباد لے کر شادی کدہ پر آگئے۔

ندیم نے اپنی سالی کی مدد سے اپنے سونے کے کمرے کی نہایت سلیقے سے تزئین و آرائش کی تھی۔ نیا ڈبل بیڈ اور مخملی بستر خریدا تھا۔ بیڈ کے درمیان میں چھوٹا سا آئینہ لگا تھا اور میک اپ رکھنے کا خانہ تھا۔ ساتھ ہی ٹیپ رکھنے کا دراز تھا۔

بیڈ کے دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ صوفہ سیٹ اور بائیں طرف والی دیوار کے ساتھ سنگھار میز رکھا تھا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ ایک خوبصورت میز اور ساتھ دو کرسیاں رکھی تھیں۔ کمرے کی چھت کے ساتھ رنگ برنگی کاغذ کے پھولوں کی لڑیاں لٹکائی ہوئی تھیں۔

چونکہ موسم اچھا تھا۔ اس لئے کمرے کا اے سی بند اور دریچہ کھلا تھا۔ جب رخشی کار میں بیٹھی تھی تو بارش نے اس کا استقبال کیا تھا۔ جب وہ کار میں بیٹھ گئی تو بارش کی رفتار کم ہو گئی اور بوندا باندی ہونے لگی۔ لیکن جب وہ اپنے محبوب ندیم کے ساتھ اپنے سجے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تو بارش بھی تھم گئی۔ ہوا ہولے ہولے پھوار کا سرور آمیز بوجھ اٹھائے چلنے لگی۔

سہانے موسم کے جلو میں رخشی خراماں وناز اں بیڈ کی طرف بڑھی اور چت ہو کر لیٹ گئی۔ گلوں کی نکہت پھوار اٹھائے ہوا میں رچی بسی تھی۔ جب مہکتی ہوا دریچے کے پردے سے چھیڑ چھاڑ کر کے اندر گھسی تو فضا میں قوس وقزح کے رنگ بکھر گئے جبکہ پہلے ہی رخشی کے مرمریں بدن سے کمرہ مہک وچمک رہا تھا۔

پھر... پھر... پھر کمرے میں فضا مترنم و متبسم ہو گئی۔ رخشی اپنے بیڈ پر چت لیٹے اپنے گلبدن کی کرنیں بکھیر رہی تھی۔ معاً ندیم کے نازک وجود کو رخشی کے سڈول جسم سے اٹھنے والی کرنوں سے جھٹکا لگا تو اس نے جھرو کا بند کر دیا اور لائٹ آف کر دی۔ وفور جذبات میں مغلوب ہو کر رخشی کو اپنے بازوؤں میں سمیٹا۔ اپنے خوب صورت گل کی پنکھڑی میں سمو کر کیف انگیز بہار کو لوٹ لیا... رخشی نے بھی بے ساختہ اپنے محبوب کے دل کو سیراب کیا۔.... دونوں نے خوشیوں کی ندی میں بڑھ چڑھ کر غوطے لگائے... اس پر بہار رات دونوں کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا۔ انہوں نے رنگین رات کی رنگین مسرتوں کو دونوں ہاتھوں سے خوب لوٹا۔

○☆○

گزشتہ رات کی رنگینی میں ندیم کے من کا لڈو پھوٹا تھا۔ لیکن جب وہ دفتر پہنچا تو اس کی قسمت کا کنول کھل اٹھا۔ بنک منیجر شوکت نے اسے مژدہ سنایا "ندیم۔ تمہیں اسسٹنٹ منیجر بنا کر تمہارا تبادلہ ابو ظہبی کر دیا گیا ہے۔"

اس نے حیرت سے پوچھا "سر۔ میری تو جمعہ جمعہ آٹھ دن سروس ہوئی ہے.... پھر میری ترقی کیسے ہو گئی.... کہیں آپ مذاق..."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شوکت نے مسکرا کر کہا "ندیم یہ سب قسمت کا کرشمہ ہے۔ جب کسی شخص پر قسمت کی دیوی مہربان ہوتی ہے تو اس کی ترقی اور خوشحالی کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں...یقیناً تم اقبال مند ہو۔"

ندیم اپنی ترقی کی خبر سن کر بہت خوش ہوا۔ بلاشبہ اس کی ترقی میں اس کی محنت جمیلہ اور لگن حسنہ کا دخل تھا لیکن اس نے اپنی ترقی کا سہرا رخشی اپنی خوب صورت بیوی کے سر باندھا۔

"ایک رات میری حسین بیوی نے میرے گھر قدم رنجا فرمایا اور دوسرے روز میری پروموشن ہوگئی .... میری بیوی بھاگوان ہے .... بھاگوان ... خوب صورت تو ہے ہی .... قسمت والی بھی ہے .... قسمت والی۔"

ترقی کی خبر سننے کے بعد وہ اپنی سیٹ پر براجمان ہوا اور گھر فون ملایا۔

"ہیلو۔ میں ندیم بول رہا ہوں۔"

"یس جانی۔ میں رخشی بول رہی ہوں۔"

"دوستو۔ میری لیلیٰ میرے بھاگ جگاون آگئی .... بھاگ" ندیم نے گنگنانا شروع کردیا۔

"ارے ارے ندیم .... یہ کیا اور وہ بھی دفتر میں۔"

"رخشی۔ میرا پیٹ خوشی سے پھٹ رہا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"سنوگی تو بہاروں کے سنگ ناچنے لگ جاؤگی۔"

"کچھ بتاؤ تو جانوں؟"

"میری پروموشن ہوگئی ہے۔"

"پروموشن ...." رخشی نے چیخ ماری۔

"ہاں ہاں۔ پروموشن .... وہ بھی بطور اسسٹنٹ منیجر... اور میرا تبادلہ بھی ہوگیا ہے۔"

"کہاں؟"

"ابو ظہبی۔"

"لیکن میں ثمائلہ .... اپنی بہن سے دور ہوجاؤگی .... اس کے پیار کو کھوؤں گی۔"

"پیاری ... کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے .... میں بھی تو گھنی چھاؤں .... والدین کی ٹھنڈی چھاؤں سے محروم ہوجاؤں گا۔"

"لیکن بہن .... بہن ہوتی ہے۔"

"خاوند .... خاوند ہوتا ہے... بیوی بیوی ہوتی ہے ... دونوں مل جائیں ... تو ....اور ان خوشیوں کے لئے ... مرجانے کے لئے دل چاہتا ہے۔ بہرحال فکر نہ کرو جانی ... ابو ظہبی یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ہے۔ ہم ہر ویک اینڈ پر آجایا کریں گے اور تمہیں اپنی بہن سے ملاجایا کریں گے... ٹھیک ہے نا.....اب خوش ہوجاؤ۔"

"ٹھیک ہے جانی" رخشی نے زوردار قہقہہ لگایا۔

ندیم بینک آفیسر بن گیا تو اس کی خوشیوں کا ٹھکانا نہ رہا۔ وہ چند دنوں کے اندر رخشی کو لے کر ابو ظہبی آگیا۔ ان دونوں کے شب و روز شادمانی کے ساتھ گزرنے لگے۔ وقت گزرتا رہا۔ دن مہینوں اور مہینے سالوں میں بدل گئے۔ پانچ سال کا عرصہ گزر گیا۔ ندیم منیجر بن گیا تھا لیکن اس کی پھلواری میں کوئی پھول نہ مسکرایا اور نہ کوئی شگوفہ پھوٹا۔ جس کے ہونے کی ہریالی اور مالن کو تمنا ہوتی ہے۔

پھر دونوں کو فکر لاحق ہوئی۔ ندیم کو رخشی سے زیادہ فکر تھی۔ اسے اپنے باغ کی رکھوالی کے لئے باغبان کی سخت ضرورت تھی۔ وہ سانجھ سویرے اللہ حضور کی بارگاہ میں خضوع کے ساتھ دعائیں مانگتا تھا۔

"اے اللہ! میرے چمن حیات میں کوئی پھول کھلادے۔"

جب ندیم کے چمن میں بہار نہ آئی۔ کوئی گل نہ کھلا۔ کوئی کلی نہ مسکرائی۔ تو ایک سہانی و نشیلی رات اس نے جھجکتے جھجکتے رخشی سے کہا "رخشی میری جان'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے گلستان میں ابھی تک گل نہیں پھوٹا.... کوئی غنچہ نہیں مسکرایا۔ ہوسکتا ہے اس کی آبیاری میں کوئی کمی رہ گئی ہو..."

"ہوسکتا ہے زمین بنجر ہو.... پانی کڑوا ہو؟"

رخشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر بکھر گئی۔ اس نے مدھ بھری آواز میں کہا۔ "میرے پیارے گل چیں ... میں آپ کی بات سمجھ نہیں پائی۔"

"رخشی .... میں .... میں کہہ رہا تھا... ہمارے چمنستان میں .... ہمارے چمن میں.... روپہلی کرنیں ابھی تک کیوں نہیں بکھریں ... گل مہتاب کیوں نہیں مسکرایا؟"

"شاید اللہ کو منظور نہیں" رخشی اپنے سائیں کے سوال پر بالکل مغموم نہ ہوئی۔ اس نے کھل کر جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے... لیکن اگر زمین..."

"ہاں ہاں بولو" رخشی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے ... اگر زمین کا چیک اپ کرالیں تو کوئی حرج بھی نہیں۔" ندیم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر کھیتی کو سیراب کرنے والے پانی کا جائزہ بھی لے لیا جائے تو بہتر ہے" محولہ جملہ ندیم نے رسماً کہہ دیا تھا۔

رخشی نے شوخ ہنسی میں جواب دیا "میرے پیار سرتاج ..... نہ تو زمین بنجر ہے... نہ ہمارے گلستاں کا بوٹا.... اس پر گل کیوں نہیں لگا...."

ابھی رخشی نے بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ ندیم حیران ہوکر بولا "تمہیں کیسے پتا کہ ہماری زمین بنجر نہیں ہے؟"

ندیم کا سوال سن کر رخشی پریشان ہوگئی۔ لیکن جلد اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا "ارے ندیم .... یہ تو میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا... بس اپنی امید کے بھروسے پر... مجھے یقین ہے کہ میں ٹھیک ہوں.... ٹھیک ہوں۔"

پھر وہ رنجور ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں شبنم چمکنے لگی۔ تو ندیم نے اسے دلاسا دیتے ہوئے بولا "میری رانی ... اگر میڈیکل چیک اپ کرالیا جائے تو کیا حرج ہے؟"

"کوئی بات نہیں .... کوئی بات نہیں" رخشی نے کہا۔

رخشی کا میڈیکل چیک اپ ہوا تو وہ چیک اپ میں کامیاب ہوگئی۔ وہ تو جانتی تھی کہ وہ ہر لحاظ سے ٹھیک ہے لیکن اس نے ندیم کی منشا کے لئے کڑوا گھونٹ بھرا تھا۔

امتحان میں پاس ہونے کے بعد رخشی نے ذرا تلخ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا "ندیم بہتر ہے کہ تم بھی اپنا چیک اپ کرالو۔"

"لیکن میں تو ٹھیک ہوں .... سوفیصد ٹھیک ہوں" ندیم نے برجستہ جواب دیا۔

ندیم کا جواب سن کر رخشی سوچوں میں ڈوب گئی۔ اس نے ندیا سے سر باہر نکالا اور پوچھا "ندیم۔ تمہیں کیسے پتا ہے کہ تم ٹھیک ہو؟"

"ہیں ..... ہاں۔"

پھر ندیم نے بھی اپنے اوپر قابو پالیا۔ اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "مجھے بھی تمہاری طرح اپنے پر بھروسہ ہے۔"

رخشی نے ندیم کا جواب سنا تو وہ لاجواب سی ہوگئی۔ اس نے اس کے جواب کو قبول کرلیا اور ہونٹوں پر میٹھا تبسم پھیلائے بولی "میرے سرتاج۔ مجھے آپ کے بھروسے پر بھروسہ ہے۔ مجھے بھی کامل یقین ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ میں آپ سے ہرگز نہیں کہوں گی کہ آپ اپنا میڈیکل چیک اپ کرائیں .... اگر اللہ چاہے گا ... تو ہمیں اولاد نرینہ سے نواز دے گا ویسے بھی یہ اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہتا ہے بیٹا عطا کرتا ہے' جسے چاہتا ہے بیٹی عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹا اور بیٹی دونوں دے دیتا ہے..."

رخشی کا جواب سن کر ندیم مسرور ہوگیا اور اس نے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں لے لیا۔

○☆○

رخشی کے میڈیکل چیک اپ کے بعد کچھ ہی روز بیت پائے ہوں گے کہ ایک شب جب ملگجی اندھیرے کو سرمئی اندھیرے نے اپنی قابو میں کرلیا تو خنک ولطیف سی ہوا بھی چلنے لگی۔ بدر کی چاندنی جھروکے سے اندر جھانکنے لگی۔ مستانی ہوا جھروکے سے گھس کر رخشی کی زلفوں کو لہرانے لگی۔ لہراتی زلفوں نے ندیم کو اپنے حصار میں لے لیا۔

پھلواری پر فضا نے دھنک کے رنگ بکھیر دیے۔ وہ جوبن پر آگئی۔ اس کے شباب کو دیکھ کر بھنورا مست ہوگیا۔ وہ حسین پھول کا رس چوسنے کے لئے منڈلانے لگا۔

ایسے پربہار موسم میں رخشی نے سحرزدہ آواز میں کہا "ندیم ... میرے خیال میں اگر ہم لاہور کے یتیم خانے سے کوئی ننھا سا بچہ لے کر اسے اپنا بیٹا بنالیں .... تو کیسا رہے گا... ہوسکتا ہے اس بچے کے طفیل رب العزت میری گود بھی ہری کردے .... اگر گود ہری نہ بھی ہو تو پھر ہم بے اولاد بھی نہیں رہیں گے۔"

ندیم جو بے خودی کے عالم میں تھا۔ اور جس کا دل کیف وسرور کے گرداب میں لہرا رہا تھا اور جلد سے جلد اپنے من کو سیراب کرنا چاہتا تھا۔ فی البدیہہ بولا "رخشی .... میری جان .... تیری آرزو کے آگے تو میں اپنی جان بھی نذر کردوں..." اور پھر رخشی نے اس کے مسرت انگیز جواب میں اپنی میٹھی چاندنی سے اس کے من میں اجالا بکھیر دیا۔

○☆○

اپنے خواب سہانے کو عملی روپ دینے کے لئے رخشی پاکستان گئی۔ لاہور ائرپورٹ پر رخشی کو ماموں فرخ ریسیو کرنے آیا ہوا تھا۔ وہ ایک دن لاہور ماموں

کے پاس ٹھہری اور دوسرے روز وہ بذریعہ ٹیکسی اپنے شہر جہلم کے مشینی محلّہ پہنچی۔ ماموں اس کے ساتھ تھا۔ جب وہ ٹیکسی سے اتری تو اس کے بابل کے صحن کے گھر کا دروازہ کھلا تھا اور صحن کے عین بیچ چھ سال کا خوب صورت بچہ گھروندے بنا کر کھیل رہا تھا۔ رخشی اپنے بیٹے کو دیکھ کر کھل اٹھی۔

اسی سے بچے کی نظر بھی اپنی ماں رخشی پر پڑگئی۔ وہ ماں کو دیکھتے ہی فورا اٹھا اور اس کی طرف دوڑ پڑا۔ ماں کے پاس پہنچا تو اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ رخشی نے اسے اٹھالیا اور چومنا شروع کردیا۔

معا بچہ افسردہ ہوگیا اور روہانسا ہوکر بولا "ماں۔ تو مجھے چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھی.... ماں مجھے بڑی ماں نے بہت پیار دیا .... بہت پیار دیا لیکن ماں تو مجھے بہت یاد آتی تھی.... بہت یاد۔"

رخشی کی نرگسی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ وہ رنجور ہوکر بولی "بیٹا نوید۔ میں تمہارے ابو کو منانے بہت دور گئی تھی.... میں تیرے ابو کو لینے گئی تھی۔"

"کہاں ہیں ابو.... میرے ابو کہاں ہیں .... کہاں ہیں ؟" نوید ماں کے بازوؤں سے اپنے آپ کو چھڑا کر گیٹ کی طرف بھاگا۔ رخشی بھی اس کے پیچھے بھاگی اور اسے اٹھا کر والہانہ انداز میں چومنے لگی۔ تھوڑی دیر چومتی رہی اور پھر بولی۔

"بیٹا .... تیرے ابو نہیں آئے ہیں .... تیرے ابو کو چھٹی نہیں ملی تھی.... اس لئے وہ نہیں آسکے.... اب میں تجھے لینے آئی ہوں۔"

"اماں .... چھٹی کیا ہوتی ہے... اور ابو کو چھٹی کیوں نہیں ملی ؟" منے نے توتلی زبان میں پوچھا۔

"بیٹا منے۔ انہیں بڑے صاحب نے پاکستان آنے کی اجازت نہیں دی... خیر چھوڑو تم ان باتوں کو .... ابھی تم سمجھ نہیں پاؤگے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ ابو کے پاس چلوگے...؟"

"ہاں ماں۔ میں ضرور چلوں گا... ضرور۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رخشی نے فرط مسرت سے اپنے ننھے منے کا منہ چوم لیا۔

جب ندیم کو نوید کا برتھ سرٹیفکیٹ اور پاسپورٹ کی کاپی مل گئی تو اس نے پلاننگ کے مطابق ڈائریکٹر آف امیگریشن کو درخواست دی۔

"سر۔ میرا بیٹا ہے۔ جس کا نام نوید اور عمر ۶ سال ہے۔ جب وہ پیدا ہوا تو میری بیوی رخشندہ اپنے گھر پاکستان میں رہتی تھی جبکہ میں قطر میں سروس کرتا تھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو اپنی دادی اماں سے مانوس ہوگیا تو میری بیوی کے قطر آنے پر وہ بڑی اماں کے پاس ہی رہا۔ اب چونکہ اس کے دادی اللہ کو پیاری ہوچکی ہے اس لئے اب میں اپنے بیٹے کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں.... ویسے بھی اب وہ اسکول جانے کی عمر کو پہنچ چکا ہے۔ اب اس کی تعلیم ضروری ہے اور میں اسے ابو ظہبی کے اعلیٰ پاکستانی تعلیمی ادارے میں پڑھانے کا آرزو مند ہوں ... برائے نوازش میرے بیٹے کو میرے پاس رہنے کی اجازت دی جائے۔"

رخشی کا ماموں فرخ جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس لئے رخشی کی شادی کے ٹھیک نو ماہ بعد اس نے جہلم میونسپل کمیٹی میں نوید کی پیدائش کا نام لکھوایا تھا اور اور چونکہ اس کا برتھ سرٹیفکیٹ نوید نے ڈائریکٹر آف امیگریشن کو پیش کردیا تھا۔ اس لئے ندیم کی درخواست منظور ہوگئی اور اسے نوید کا ویزا مل گیا۔

○☆○

اس روز ندیم بہت مسرور تھا۔ اس کی مسرتوں کا ٹھکانا نہیں تھا۔ وہ خوش اس لئے تھا کہ ایک تو اس کا لے پالک بیٹا آرہا تھا دوسرا اس کا من کا دلربا کھلونا آرہا تھا۔ جس کے ساتھ کھیلنے کے لئے وہ عرصہ تین ماہ سے ترس رہا تھا اس کے بغیر تو اس کے دل کی کلی پژمردہ ہوچکی تھی۔

اور پھر انتظار اور گھنٹوں کے انتظار کے بعد اس کا مہکتا گل ایک خوب صورت بچے کی انگلی پکڑے ارائیول لاؤنج سے باہر نکلا۔ اسے گھنٹوں انتظار اس لئے کرنا پڑا کہ اس روز فلائٹ بوجوہ تین گھنٹے لیٹ تھی۔ مزید برآں وہ ملکہ حسن کی

کشش کی بنا پر دو گھنٹے پہلے کشاں کشاں ائرپورٹ پہنچ گیا تھا۔

اپنی رانی کو دیکھتے ہی ندیم کا دل مہک اٹھا۔ اس کی ترستی آنکھوں میں چمک آگئی۔ ذہن میں تازگی آگئی۔ وہ کشاں کشاں ملکہ حسن کی طرف بڑھا اور مسکراتے ہوئے السلام علیکم کہا۔ اس کی جان بہار نے بھی دلپذیر مسکان کے ساتھ وعلیکم السلام کہا۔ نوید بھی والہانہ انداز سے ابو ابو پکارتے بڑھا۔ تو ندیم نے اسے پیار سے اٹھالیا اور اس کے گلابی رخسار پر بوسہ لیا۔

پھر وہ کار میں بیٹھ کر گھر آگئے۔ پپو نوید چہل چہل کر گھر میں پھر رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ٹی وی آن تھا۔ شاید ندیم نے گھر میں داخل ہوتے ہی ٹی وی لگادیا تھا اور اپنے پسندیدہ گیتوں کی وڈیو کیسٹ لگادی تھی۔ سب سے پہلے گانے کے بول تھے۔

"بہارو پھول برساؤ۔"

نوید انہماک اور استغراق کے ساتھ گانے سننے لگا۔ اور گانے سنتا سوگیا۔ ندیم نے اسے اٹھاکر مسہری پر لٹایا اور اپنی ملکہ کو لے کر ماسٹر بیڈ روم میں گھس گیا اور اپنے پیاسے دل کو سیراب کیا اور خوب سیراب کیا۔

جب جوشیلی ندیا کی امواج تلاطم میں ٹھہراؤ آگیا اور ندیم اور رخشی کے بے قابو جذبات پر برف کی دبیز چادر بچھ گئی تو رخشی اپنے گلابی ہونٹوں پر موج تبسم لہراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ندیم۔ میں نے اڈاپشن سینٹر سے نوید کو لینے کے بعد سمجھادیا ہے کہ ہم ہی اس کے والدین ہیں۔ تم بوجوہ ابو ظہبی جانے کے وقت اسے سینٹر میں چھوڑ گئے تھے تاکہ اس کی نگہداشت وپرورش اچھی طرح ہوتی رہے .... میں نے اس کے دل میں یہ بات اچھی طرح بٹھادی ہے کہ ہم ہی اس کے اصلی پدر ومادر ہیں .... رہا دنیا تو ان کی انگشت نمائی سے بچنے کا وہی طریقہ ہے جو ہم نے سوچ رکھا ہے اور جس طریقے سے ہم نے نوید کا ویزا بنوایا ہے یعنی نوید ہمارا ہی بیٹا ہے۔ نانی کے ساتھ اتنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیار تھا کہ جب ہم پہلی دفعہ قطر گئے تھے تو ہمارے ساتھ جانے کے لئے بالکل تیار نہ تھا لہٰذا ہم نے بھی اس کی خوشیوں کی خاطر اسے نانی کے پاس رہنے دیا .... اب اس کی نانی مرچکی ہے اس لئے پپو کو ہم لے آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جانی" ندیم نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا کیونکہ اس وقت اسے زلفوں کی چھاؤں میں گہری نیند آرہی تھی... اور پھر وہ دونوں یک جان دو قالب .... نہیں یک جان اور یک قالب بن کر میٹھی نیند سوگئے۔

○☆○

دوسرے روز ہی نوید کو اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ پھر وقت پہئے کی طرح گردش کرنے لگا۔ نوید نے اچھے نمبروں سے اے لیول کا امتحان پاس کرلیا۔

چونکہ ندیم کی مالی پوزیشن مستحکم تھی۔ اس لئے اس نے بہتر سمجھا کہ نوید کو اعلیٰ تعلیم امریکا میں دلائی جائے۔ لہٰذا اس نے اسے یونیورسٹی آف ہوسٹن ٹیکساس میں داخل کرادیا۔

نوید کی تعلیم کا ایک سمسٹر یعنی اسپرنگ سمسٹر مکمل ہوگیا تھا اور دوسرا سمسٹر شروع ہوچکا تھا۔ ایک روز وہ لائبریری میں کوئی کتاب تلاش کررہا تھا۔ الماری سے کتاب نکال کر وہ پیچھے ہٹا تو ایک نازک اندام مشرقی حسینہ سے ٹکرا گیا۔ اس کے ہاتھ سے نوٹ بک گرگئی۔

نوید نے فوراً اس کی نوٹ بک اٹھائی اور بک دینے کے لئے اس کی طرف دیکھا تو اس کی نظریں ساکت ہوگئیں۔ کچھ ثانئے وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔ جب اس کے حسن کی کرنیں اس کی آنکھوں سے گزر کر اس کے دل میں اتریں تو اس کا دل مہک وچہک اٹھا۔

پھر تو اس کی آنکھوں میں بھی حسن آگیا۔ وہ مخمور آنکھوں سے حسینہ دل ربا کو دیکھتے ہوئے بولا "آئی ایم سوری .... پلیز فارگو می .... مجھے درگزر کردیجئے۔"

"نو پرابلم۔ تھینک یو' کوئی بات نہیں' شکریہ۔"

"ڈو یو نو اردو.... کیا آپ اردو جانتی ہیں؟"

"کیوں نہیں... میں کراچی پاکستان کی رہنے والی ہوں۔ اور آر کیٹیکچر کی اسٹوڈنٹ ہوں" اس نے سحر انگیز تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

حیف صد حیف.... آپ آر کیٹیکچر کی اسٹوڈنٹ ہیں... میری کلاس فیلو بھی ہیں... ہم وطن بھی ہیں... اس کے باوجود میں اب تک آپ کی دوستی سے محروم رہا۔" نوید نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"دیر آید.... درست آید.... میں بھی اب تک آپ ..... نہیں تمہاری محبت سے محروم رہی ہوں" اس نے نچلے ہونٹ کو دباتے ہوئے کہا۔

"کیا میں ملکہ حسن وجمال کا نام پوچھ سکتا ہوں" نوید نے بھی نچلے ہونٹ کو دباتے ہوئے کہا۔

"میں نورین ہوں۔"

"تم نورین ہو... تجلی ریز ہو.... تب ہی تو تمہارے مرمریں پیکر سے سحر زدہ کرنیں نکل رہی ہیں۔ جنہوں نے مجھے حصار میں لے کر میرے من کو فیروزاں کردیا" نوید نے اپنی مخمور آنکھوں سے نورین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

نورین اس کی مسحور آنکھوں کی تاب نہ لاسکی اور اس نے اپنا سر جھکادیا۔ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہوگئی اور نوید بھی اس کی کالی زلفوں کے ساتھ بندھ گیا۔

کچھ دنوں کے بعد نورین اپنے فرینڈ نوید کو اپنے گھر لے گئی۔ اسے اپنے پاپا شجاع الدین' مما مسرت جہاں اور اکلوتے بھائی کبیر الدین سے ملوایا۔ وہ سب نوید سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اس کی خوب آؤ بھگت کی۔

چند دنوں کے اندر نوید اپنی گرل فرینڈ کے گھر والوں سے گھل مل گیا۔ اس کے پپا شجاع الدین سے تو اس کی خوب گپ شپ رہتی۔ جب بھی نورین کے گھر جاتا تو شجاع الدین خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتے اور نورین کو حکم صادر فرماتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نوری بیٹی... نوید کے لئے چائے یا کولڈ ڈرنک لاؤ۔"

"اچھا پپا" وہ پپا کہہ کر باورچی خانے میں گھس جاتی اور شجاع صاحب نوید سے باتیں کرنے لگتے۔

ایک روز نوید نے باتوں ہی باتوں میں اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔ "انکل! آپ کو پاکستان چھوڑے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟"

"بیٹا۔ ۳۰ سال گزر چکے ہیں۔ نورین اور کبیر یہاں ہی پیدا ہوئے.... بلکہ میں نے نورین کی ماں سے شادی بھی یہیں کی۔"

"کیا آنٹی آپ کی رشتے دار بھی ہیں؟"

"بیوی جو ہے ... بیٹے نو لائف وود آؤٹ وائف .... بیوی کے بغیر بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ بیوی تو شریک سفر اور بہت بڑی رشتہ دار ہوتی ہے" شجاع نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"انکل۔ آپ میری بات سمجھ نہیں پائے.... میرا مطلب یہ ہے کہ شادی سے پہلے آپ کا آنٹی کے ساتھ کوئی رشتہ بنتا تھا؟"

"نہیں بیٹا۔"

"تو پھر آپ کو ڈیڈی اور ممی نے شادی کی اجازت کیسے دے دی؟"

"بیٹا۔ ان سے شادی کی اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ میں یہاں آیا۔ باپ کے پیسے پر ڈگری لی اور یہاں تمہاری آنٹی۔ ڈاکٹر آنٹی مسرت جہاں سے شادی کرلی۔ پھر میں نے بھول کر بھی پاکستان کا نام ہی نہیں لیا۔ کبھی پاکستان نہیں گیا۔ میری ممی ڈیڈی نے خطوط لکھے۔ بے شمار خطوط لکھے۔ فون کیے لیکن پاکستان نہیں گیا۔ اب تو وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں" شجاع نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اپنی زندگی کا اہم واقعہ نوید کو سنایا۔

"لیکن پاکستان جانے میں آپ کا دل کیوں نہیں کرتا؟"

"بیٹا۔ ابھی تو تمہیں یہاں آئے ہوئے مشکل سے ایک سال گزرا پایا ہے لیکن

مزید چند سالوں کے بعد تمہیں اپنے سوال کا جواب خود ہی مل جائے گا۔ بیٹا یہاں کی رنگینیاں۔ آزادیاں، خوب صورتیاں اور آسانیاں جانے نہیں دیتیں القصہ مختصر تم خود ہی سمجھ جاؤ گے۔ جب تم خود میرے اور دوسرے ایشیائی و افریقائی باشندوں جیسے حالات واقعات اور محسوسات کے گرداب میں غوطے لگانے لگو گے۔"

پھر نوید اور نورین کے لیل و نہار عقیدت، انسیت اور مسرت میں گزرنے لگے۔ وہ ہر ہفتے ویک اینڈ منانے کہیں نہ کہیں جاتے۔ لیکن ان کی پیار کی عمارت میں عقیدت، چاہت، سیرت و عصمت شامل رہی۔ ان کے قصر چاہت میں جنسیت کی دراڑ کبھی بھی نہ پڑی۔ وہ ہمت و عصمت کے ساتھ لمحات کی دیواروں کو پھلانگتے رہے، نوید ہر سال پاکستان چھٹی جاتا لیکن اس نے اپنے پیار کی کہانی بھول کر بھی نہ امی اور نہ ابو کو سنائی۔

جب وہ فائنل امتحان میں پاس ہو گیا تو اس نے پاکستان جانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور بکنگ بھی کرالی۔ اور اپنے آنے کی اطلاع بھی ممی ڈیڈی کو ابو ظہبی کردی۔

ابو ظہبی جانے سے دو دن پہلے نوید نورین کے گھر گیا۔ ان کو بھی نوید کے رخت سفر باندھنے کا پتا چل چکا تھا۔ لہٰذا نورین اور نورین کے گھر والے اس سے سخت ناراض تھے۔

جب وہ نورین کے گھر گیا تو نورین اس کے سامنے نہ آئی۔ اس نے نورین کے والد سے پوچھا "انکل۔ نورین کہاں ہے؟"

"بیٹا۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتی۔"

"آخر کیوں" نوید نے ورطہ حیرت سے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ تمہارے ابو ظہبی جانے پر خوش نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ نوید کے بغیر اس کے سانجھ سویرے کیسے گزریں گے۔ وہ تم سے ناراض ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو نورین نے ٹھیک کہا۔ میں بھی تو اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ آہ۔ یہ خیال تو میرے کند ذہن میں نہیں آیا" اس نے سوچ کی وادی میں غوطہ لگا کر کہا۔ اپنی بات کہنے کے بعد اس نے پھر سوچ کی وادی میں غوطہ لگا دیا تو نورین کے ابو نے موقع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی بصارت کا وار کیا۔ "بیٹا۔ نورین سے شادی کرلو۔ پھر تم دونوں ابو ظہبی اکٹھے جانا۔"

"لیکن امی ابو سے اجازت تو لینی پڑے گی؟"

"اگر انہوں نے اجازت نہ دی تو پھر کیا کروگے؟"

"ہاں یہ تو ہے۔ نورین کو بن دیکھے وہ کیسے مانیں گے اگر میں اجازت کے گرداب میں پھنس گیا تو پھر شادی میں بھی دیر ہوجائے گی اور ابو ظہبی جانے کا عرصہ بھی طویل ہوجائے گا۔ جبکہ میں جلد از جلد امی۔ پیاری امی اور ابو سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر تمہارا کیا فیصلہ ہے؟" شجاع نے لوہے کو گرم دیکھتے ہوئے عقل کا ہتھوڑا مارا۔

"میں نورین کے ساتھ شادی کرلیتا ہوں۔ اس میں مصلحت ہے۔"

"شاباش بیٹا" شجاع نے نوید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور پھر وہ سیدھا نورین کے بیڈ روم میں چلے گئے جو چت لیٹے ہوئے فضاؤں کو گھور رہی تھی اور ان جانے خیالوں میں مبتلا تھی۔

"ہیلو بیٹی چلو تمہیں نوید یاد کررہا ہے۔"

ڈیڈی کی رس بھری آواز سن کر وہ خیالات کی وادی سے باہر نکلی اور افسردہ لہجے میں گویا ہوئی۔ "ڈیڈی۔ میں اس بے وفا سے نہیں ملوں گی۔"

"کیسے نہیں ملوگی۔ وہ بے وفا نہیں ہے۔ وہ پیکر وفا ہے۔ وہ تم سے شادی کرنے پر تیار ہوگیا ہے" شجاع نے پیار سے بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نورین ایک دم بیڈ سے اچھل کر کھڑی ہوگئی اور ابو کے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں ڈال کر بولی "سچ ڈیڈی۔"

"ہاں بیٹی۔"

جاں فزا مژدہ سن کر نورین فرط مسرت سے ڈیڈی کے سینے سے لگ گئی۔ معا اس کی امی بھی وہاں پہنچ گئی تو وہ ہنسیاں بکھیرتے ہوئے بولی "ارے۔ ارے۔ آج کون سا خوشی

کا ایسا سمے آگیا ہے کہ باپ اور بیٹی دونوں محبت کا جھولا جھلا رہے ہیں۔"

"ممی۔ پیاری ممی۔ نوید شادی کے لئے تیار ہوگیا ہے" نورین ڈیڈی کے سینے کو چھوڑ کر ممی کے گلے لگتے ہوئے بولی۔

"تھینکس گاڈ" نورین کی ممی مسرت جہاں نے کہا۔

پھر وہ گھر کے تینوں افراد جھومتے جھومتے سٹنگ روم میں آئے اور نوید کے ساتھ چہک چہک کر باتیں کرنے لگے۔ ہفتے کے اندر شادی کی تیاری مکمل ہوگئی اور وہ دونوں شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ ہمیشہ کے لئے۔ نہ ٹوٹنے والی زنجیروں میں۔

○☆○

پہلے تو نوید نے نورین سے صرف محبت کی تھی۔ لیکن اس نے مشترکہ روحانی تسکین کا ذائقہ نہیں چکھا تھا۔ لیکن جب اسے روحانی مسرت مل گئی جو کہ نہایت میٹھی اور قیمتی تھی تو وہ اپنے آپ کو بھی بھول گیا۔ اپنے آپ کو بھولا تو دنیا و مافیہا کو بھول گیا' اپنے والدین کو بھول گیا۔

نورین کے والدین برسہا برس سے امریکا رہ رہے تھے۔ وہ امریکا کے نیشنل ہولڈر ہوچکے تھے۔ وہ وہاں کے ہو کر رہ گئے تھے۔ شادی کے بعد نوید نے بھی واپسی کا ارادہ ختم کردیا۔

جب نوید حسب پروگرام ابو ظہبی نہ پہنچا تو اس کے والدین کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ انہوں نے پسنجر لسٹ دیکھی تو اس میں اس کا نام نہ تھا۔ انہوں نے نوید کو ہوسٹن امریکا فون کیا لیکن ادھر سے کسی نے فون نہ اٹھایا۔ فون اٹھاتا بھی کون۔ نوید تو فائیو اسٹار ہوٹل میں ہنی مون منا رہا تھا۔ نوید کے امی و ابو کی فون کرتے کرتے انگلیاں تھک گئیں لیکن ان کا نوید سے کنٹیکٹ نہ ہوسکا اور وہ انتہائی پریشان ہوگئے۔

شادی کے دوسرے دن نوید گہری نیند سویا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا اس کی امی اس سے کہہ رہی ہیں۔ نوید میرے بیٹے' میرے دل کے سہارے میرے ساتھ ابو ظہبی چلو' میں تمہیں لینے امریکا آئی ہوں۔" جب نوید نے جواب نہ دیا تو وہ دیوار کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ٹکریں مارنے لگی۔ اس کی جبین سے خون پھوٹ پڑا جو رخساروں سے بہ کر اس کی قمیص میں جذب ہونے لگا وہ رو رو کر بولی "نوید تم ابو ظہبی نہیں چلوگے تو میں اس بہتے ہوئے خون کو نہیں روکوں گی اور مرجاؤں گی.. مرجاؤں گی۔"

بھیانک خواب کو دیکھتے ہی نوید چیخ مار کر اٹھ پڑا اور سیدھا دریچے کے پاس گیا اور اسے وا کر کے باہر دیکھنے لگا۔

نورین جو نوید کے ساتھ ہی پلنگ پر لیٹی تھی۔ اپنے خاوند کی دلخراش چیخ سن کر گہری نیند سے جاگ گئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے نوید کے پاس پہنچی جو اس وقت نینوں سے چھم چھم مینہ برسا رہا تھا۔ نورین نے پیار سے نوید کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور تشفی دیتے ہوئے بولی "میرے سرتاج۔ آپ نے دلخراش چیخ کیوں ماری۔ اور آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں تیر رہے ہیں۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟"

نوید دل گیر آواز میں بولا "نوری۔ کھڑکی سے باہر دیکھو۔ فلک پر ابر کے مرغولوں کا راج ہے۔ سرمئی بادل کبھی گرجتے ہیں اور کبھی برس پڑتے ہیں۔ مرغزار، شجر اور پتوں پر شبنم کی حکمرانی ہے۔ کچھ دیر پہلے بادل گرجا اور اس کی مہیب آواز سے میں جاگ پڑا۔ بس صرف یہ بات ہے۔"

"لیکن آنکھوں سے ساون کی لڑی کیوں لگی ہے؟"

"ہیں، ہیں۔ ہاں" نوید نے آنکھیں رومال سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"میرے دل جانی۔ ہیں ہاں نہ کرو۔ مجھے اپنے دل کی بات بتاؤ۔ پلیز۔ نہیں تو میں کوٹھا سر پر اٹھالوں گی، پلیز۔" نورین نے شبنمی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ماں کی جبین سے خون نکل رہا ہے اور وہ مجھے ابو ظہبی آنے کے لئے کہہ رہی ہیں۔ میری ماں پریشان ہیں وہ مجھے بلا رہی ہیں۔" نوید روہانسا ہو کر بولا۔

"ارے نوید۔ روتے کیوں ہو۔ خواب سچے تھوڑے ہی ہوتے ہیں" نورین نے دلاسا دیا۔

"نہیں نورین۔ نہیں۔ میرا خواب سچا ہے۔ میری ماں ضرور بیمار ہے۔ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے" نوید نے دل گرفتگی سے کہا۔

"پھر بھی اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ فون آپ کے کمرے میں پڑا ہے۔ گھر کا فون نمبر بھی آپ کو ازبر ہے۔ تو پھر گھر فون کر کے امی کی طبیعت کا پتا کر لیجئے۔"

"ہاں۔ نوری یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا" نوید خوشی سے اچھلا اور ابو ظہبی اپنے گھر فون ملانے لگا۔ معاً اس نے فون کریڈل پر رکھ دیا۔ تو نورین نے متحیر ہو کر پوچھا۔

"کیا بات ہے جانی۔ کیا نمبرا گیج تھا؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے۔ فون کیوں بند کر دیا؟"

"فون ڈائل کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اب تو رات کا ایک بج چکا ہے۔ ممی اور پپا تو سوئے ہوں گے گہری نیند لہٰذا میں نے فون بجنے سے پہلے ہی رکھ دیا۔"

"واہ ڈیئر واہ۔ آپ کی بھی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت ابو ظہبی میں صبح کے ۹ بجے ہوں گے۔ انکل اگر اس وقت ڈیوٹی پر ہوئے تو آنٹی تو گھر پر ہی ہوں گی" نورین نے اپنی گلابی پنکھڑیوں پر مسکان بکھیرتے ہوئے کہا۔

"نورین یو آر دی گریٹ.. تم بہت اچھی ہو، تم نے تو میری انگنائی میں اجالا بکھیر دیا ہے۔ میں ابھی ممی کو فون کرتا ہوں۔"

نوید نے مسکراتے ہوئے ابو ظہبی فون ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ جونہی فون کی گھنٹی بجی تو نوید کی امی رخشی نے لیٹے لیٹے فون اٹھایا۔ فون اس کی مسہری کے پاس رکھی ہوئی تپائی پر پڑا تھا۔ رخشی نے نقاہت بھری آواز میں پوچھا۔ "کون؟"

"ہیلو۔ ممی۔ میں۔ میں امریکا سے نوید بول رہا ہوں۔"

"میرا بیٹا۔ میرا دل جانی بول رہا ہے" رخشی نے کھلتے ہوئے کہا۔ لخت جگر کی آواز سن کر اس کے کمزور جسم میں جان آگئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے محسوس ہی نہ ہوا کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیز بخار میں مبتلا ہے۔

رخشی نے پشت کے ساتھ تکیہ رکھا اور مسرت سے سرشار ہو کر بولی "بیٹا کیسے ہو۔ پروگرام کے مطابق چھٹی کیوں نہیں آئے؟"

"ماں۔ ماں۔"

"ہاں بیٹا بولو۔ بتاؤ کیا بات ہے۔ بیٹا شرماؤ مت۔ ڈرو مت۔"

"ماں۔ پیاری ماں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اگر میں نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا تو کہیں آپ کے خرمن آرزو میں آگ نہ لگ جائے۔ آپ ناراض نہ ہو جائیں۔"

"میں صدقے جاؤں اپنے لعل پر۔ میں واری جاؤں۔ بھلا میں اپنے بیٹے پر ناراض کیوں ہوں گی۔ میں تو اس فانی دنیا' اس دکھوں کی دنیا میں بیٹے کی سہارے پر جی رہ ہوں۔ میں بیٹے کی شہ پر دنیا کے خاروں کو پھول گردانتی ہوں۔ میں تو بیٹے کی خوشیوں کے لئے زندہ ہوں۔ بیٹا بتاؤ بات کیا ہے۔ بلا جھجک بتا دو۔"

"ماں۔ میرا ترشح' میرا اظہار کہیں آپ کے خوابوں کے نشیمن پر بجلی بن کر نہ گرے۔ اگر بجلی گری نشیمن پر اور آپ کا نشیمن جل اٹھا تو پھر میرا دل بھی جل اٹھے گا۔"

رخشی نے اپنی ہمتوں و عظمتوں کو سمیٹ کر پختہ آواز میں کہا "بیٹا۔ جس بات سے تمہارا دل خوش ہو۔ تمہارے دل کا نشیمن خوشی کے تمغموں سے فیروزاں ہو تو پھر میرے نشیمن پر بجلی گرے گی بھی تو میرا نشیمن نہیں جلے گا۔ اس وقت تو مجھے انڈیا کے معروف شاعر سعید شہیدی کا معروف شعر یاد آگیا ہے۔

نشیمن پر نشیمن اس طرح تعمیر کرتا جا
کہ گرتے گرتے بجلی آپ خود بیزار ہو جائے

"سبحان اللہ۔ بہت خوب ماں۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں۔ میں مترشح ہوں کہ اب خبر سن کر آپ کا آشیانہ نہیں جلے گا۔ تو لو سنیں خبر۔ ماں۔ پیاری ماں۔ میں نے امریکا میں اپنے دل کی شمع سے اپنے دل کو روشن کر لیا ہے۔"

"بیٹا۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ بھلا اس روح افزا خبر پر میں ناراض کیوں ہوں گی۔ میرے دل سے تو مسرتوں کا دھواں اٹھ رہا ہے۔ جس کی مہک سے میں مہک اٹھی ہوں۔ اور ہاں بتاؤ تو سہی اس سمے تمہاری شمع کہاں ہے۔ میں اس سے بات کر سکتی ہوں؟"

ماں میری شمع کا نام نورین ہے۔ بات کریں میری شمع سے۔ میری نورین سے۔"

"السلام علیکم آنٹی جی۔"

"وعلیکم السلام۔ میری سویٹی بیٹی۔"

"آنٹی۔ کیسی ہیں؟"

"بیٹی۔ اپنے لخت جگر کی جدائی کی آنچ میں تڑپ رہی ہوں۔ اسی تڑپ کی وجہ سے میں بخار میں مبتلا ہوں۔ کچھ دیر پہلے تک مجھے بخار تھا لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بالکل ٹھیک۔ دیکھو میرا جسم ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ میرے بیٹے کی میٹھی باتوں نے میرے بدن کے ٹمپریچر کو کم کر دیا ہے۔ بالکل نارمل۔" رخشی نے اپنی بات کو جاری رکھا۔

"بیٹی۔ ہمارے پاس کب آرہی ہو۔ میرے ویران دل میں اجالا بکھیرنے؟"

"آنٹی۔ ہم انشاء اللہ چند دنوں میں آجائیں گے۔ تسلی رکھیں۔"

"بیٹی۔ پرلگا کر آجاؤ۔"

"امی۔ ہم پر لگا کر۔ اڑ کر ہی آئیں گے۔ جونہی امیگریشن کی ضروری کارروائی مکمل ہو گی۔ ہم اڑ کر آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے بیٹی۔ میرا رواں رواں تجھے دعائیں دے رہا ہے۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ آنٹی۔"

پھر نوید نے فون نورین کے ہاتھوں سے لے کر امی کو خدا حافظ کہا۔ فون کریڈل پر رکھا اور فرط مسرت سے نورین کو سینے سے لگا لیا۔ لائٹ آف کر دی۔ ٹیوب لائٹ کی روشنی کے بجائے نورین کے نور سے اپنے حریص من کو منور کر کے میٹھی نیند سو گیا۔ نورین کو بھی پل بھر میں نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○☆○

حسب وعدہ نوید اور نورین ہفتہ کامل کے بعد ابو ظہبی پہنچ گئے۔ ان کے ابو ظہبی آجانے کے طفیل ندیم اور رخشی کے دلوں میں خوشیوں کے ان گنت چراغ جل اٹھے۔ وہ مسرتوں کے پر لگا کر پر فضا ہواؤں میں اڑنے لگے۔

نوید اور نورین پندرہ دن ممی اور ڈیڈ کے پاس رہنے کے بعد بقیہ ہنی مون کے دن منانے پاکستان چلے گئے۔ جہاں انہوں نے تاریخی اور پر رونق شہروں کراچی' لاہور' اسلام آباد' مری' ایبٹ آباد اور سوات وغیرہ کی جی بھر کے سیر کی۔

بلاشبہ نوید و نورین نے ماہ عسل کا لطف اٹھانے کے لیے پاکستان کی رنگینیوں سے خوب فائدہ اٹھایا لیکن چند تلخ حقائق کا بھی انہیں سامنا کرنا پڑا جن کی وجہ سے ان کی خوشیوں کا مزا کرکرا ہوگیا۔ انہیں پاکستان سے نفرت ہوگئی۔ اپنے ملک سے نفرت ہوگئی۔ اپنے دیس سے نفرت۔ اپنے سوہنے دیس سے نفرت۔

مثلاً جونہی وہ کراچی ائرپورٹ سے باہر نکلے تو ٹیکسی ڈرائیوروں کی فوج ان کے پیچھے پڑ گئی۔ نوید سے ہر ایک یہی سوال پوچھتا۔

"صاحب۔ آپ نے کہاں جانا ہے۔ میرے ساتھ چلیں' میں تھوڑا کرایہ لوں گا وغیرہ۔"

ایک ٹیکسی ڈرائیور جو شکل سے معصوم لگتا تھا وہ ان کے ساتھ پچاس روپیہ کرایہ طے کرنے کے بعد پارکنگ لاٹ کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ دو قدم ہی بھر پائے تھے کہ دوسرے ٹیکسی ڈرائیور نے شریف ٹیکسی ڈرائیور کا گریبان پکڑ لیا اور طیش میں آکر بولا۔

"او۔ حرام زادے۔ تم انہیں کہاں لے جا رہے ہو۔ یہ تو میری سواری ہے' ان سے پہلے میں نے بات کی ہے۔ یہ میرے ساتھ چلیں گے۔"

نوید ذرا غصے میں بولا "بھئی۔ تم اس سے جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ ہم تو اس کے ساتھ ہی جائیں گے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ میرے ساتھ جائیں گے۔"

"ہم تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے" نوید نے گرج دار آواز میں کہا۔

"ان کی تو تو میں میں سن کر ایک راہ گیر نوید سے مخاطب ہوا "صاحب۔ آپ اس کے ساتھ خواہ مخواہ کیوں الجھ رہے ہیں۔ ان کا مسافروں کے ساتھ جھگڑا روز کا معمول ہے۔ وہ سامنے ٹیکسی اسٹینڈ ہے۔ وہاں سے آپ کو ٹیکسی نمبر مل جائے گی کیونکہ ایک پولیس مین نمبر کنٹرول کرتا ہے۔ آپ وہاں جائیں۔"

"تھینک یو بھائی۔"

نوید نے مسافر کا شکریہ ادا کیا اور نورین کو لے کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف چل پڑا۔ ٹیکسی نمبر لیا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل کی طرف چل پڑے۔

ٹیکسی چلنے کے ساتھ ہی نوید نے ڈرائیور کو کہا۔ "بھائی۔ میٹر تو ڈاؤن کرو۔"

"صاحب۔ چھوڑو میٹر موٹر کو۔ جو دل میں آئے دے دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی" نوید نے کہا۔

ٹیکسی میٹروپول ہوٹل پہنچی۔ نوید اور نورین ٹیکسی سے اترے۔ کرایہ دینے کے لئے نوید نے جیب سے بٹوا نکالنے کے لئے پینٹ کی پچھلی پاکٹ میں ہاتھ ڈالا تو پرس غائب تھا۔ اسے بہت افسوس ہوا۔

خوش قسمتی سے اس کے بریف کیس میں ٹریولرز چیکس کے علاوہ کچھ پاکستانی روپے بھی رکھے تھے۔ اس نے بریف کیس سے پچاس روپے کا نوٹ ٹیکسی ڈرائیور کو دینا چاہا تو اس نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔

"ارے بھائی۔ ایک شریف ٹیکسی ڈرائیور سے میں نے پچاس روپے میں مک مکاؤ کیا تھا اور ایک دوسرا ٹیکسی ڈرائیور اس سے جھگڑ پڑا تھا۔ اتنے ہی پیسے تو میں تمہیں دے رہا ہوں۔ پھر تم کیوں نہیں لیتے" نوید نے متحیر اور متاسف ہو کر کہا۔

"صاحب۔ وہ ڈرائیور شریف نہیں تھا۔ وہ تو ایک نمبر نمبری تھا۔ اس نے تو آپ کو چکا دیا ہوگا تاکہ آپ اس کے ساتھ چل پڑیں۔ میں تو پورے تین سو روپے لوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

آخر نورین کے سمجھانے پر نوید نے ٹیکسی ڈرائیور کو ۳ سو روپے دے کر جان چھڑائی۔

دوسرے روز نوید و نورین کراچی کی سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ انہوں نے آٹھ سو روپے یومیہ پر ٹیکسی ہائر کی۔ ڈرائیور پہلے انہیں باغیچہ لے گیا اور پھر کیماڑی۔ کیماڑی سے وہ لانچ میں بیٹھ کر منوڑہ گئے اور بعد از دوپہر کلفٹن پہنچے اور جی بھر کے سیر کی۔ دونوں نے اونٹ کی سواری بھی کی۔ اونٹ کی سواری کے بعد وہ ساحل پر بیٹھ گئے۔ نورین گھروندے بنانے لگی جبکہ نوید ریت پر لیٹ گیا۔ معاً دو پولیس مین وہاں پہنچ گئے۔ ایک پولیس مین نوید سے مخاطب ہوا۔

"یہ خوب صورت لڑکی آپ کی کیا لگتی ہے؟"

"یہ میری بیوی ہے۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟"

"میں جو کہتا ہوں' یہ میری بیوی ہے۔"

"آپ کے کہنے سے کام نہیں بنے گا۔ اپنا آئیڈنٹی کارڈ دکھایئے۔"

"ہمارے پاس آئیڈینٹی کارڈ نہیں ہے۔ ہم تو امریکا میں رہتے ہیں۔"

"تو آپ گرین کارڈ ہولڈر ہیں؟ تو پھر پاسپورٹ دکھایئے۔"

"وہ تو میٹروپول ہوٹل میں ہے۔"

"اچھا تو پھر ہمارے ساتھ تھانہ چلئے اور جیل کی ہوا کھایئے۔"

پولیس اسٹیشن کا نام سن کر نوید سٹپٹا گیا۔ معاً ٹیکسی ڈرائیور نے نوید کو ایک طرف کر کے سرگوشی کی "صاحب جی۔ یہ پاکستان ہے' ان سے جان چھڑانے کا ایک ہی طریقہ ہے' رشوت۔ ان کی مٹھی گرم دیں ورنہ یہ آپ کو تھانے میں بند کر دیں گے اور آپ کی بیوی کی عزت بھی خراب کر دیں گے۔"

مجبوراً نوید نے سو روپے کا قائداعظم کی تصویر والا نوٹ نکالا اور پولیس مین کو

دیتے ہوئے بولا۔ "یہ لیں بھائی اور ہماری جان چھوڑیں۔"

"نہیں صاحب جی۔ سو روپے تو ہم عام آدمی سے قبول کر سکتے ہیں... آپ تو گرین کارڈ ہولڈر ہیں۔ ہزار سے کم ایک پیسہ بھی نہیں لیں گے۔ ہزار روپے۔"

نورین جو ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ لرزتے ہوئے بولی "نوید۔ پلیز دے دو انہیں ہزار روپے۔"

نورین کی التجا پر نوید نے ایک ہزار روپے پاکستانی سپاہی قانون کے محافظ کو دے دیے۔

زندہ دلان شہر لاہور کے قیام کے دوران وہ دوسرے سیاحوں کے ساتھ بس میں بیٹھ کر سیر و سیاحت کے لئے نکلے اور ان دونوں میاں بیوی نے شالامار باغ۔ بادشاہی مسجد' مینار پاکستان' لال قلعہ' مقبرہ جہانگیر اور مقبرہ نور جہاں وغیرہ دیکھا۔

جب وہ دوسرے سیاحوں کے ساتھ بس میں بیٹھ کر مقبرہ جہانگیر دیکھنے کے بعد واپس آ رہے تھے تو سورج اپنے اوپر نیند کی چادر اوڑھ کر سو چکا تھا۔ چہار سو ملگجے اندھیرے کا راج تھا۔

پھر شفق کو تیرہ و تار اندھیرے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت سیاحوں کی بس راوی پل سے کافی دور تھی کہ سیاحوں میں سے ہی تین آدمی اچانک اٹھے۔ ایک پھرتی سے ڈرائیور کی طرف لپکا اور اس کی کنپٹی پر ریوالور رکھ کر بولا "جان کی سلامتی چاہتے ہو تو بس ایک سائیڈ پر روک لو۔"

ڈرائیور نے ایک سائیڈ پر بس روک دی۔ دوسرا ڈاکو گیٹ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ تیسرے ڈاکو نے تمام سیاحوں کو اپنی اپنی جگہ کھڑا ہونے کا حکم صادر فرمایا اور ان سے رقم اور زیور وغیرہ لینے لگا۔

نورین نے کانوں میں بالیاں' گلے میں مالا اور ہاتھوں میں چوڑیاں' رولکس گھڑی اور تین انگلیوں میں خوب صورت سونے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں جو اس نے شبنمی آنکھوں کے ساتھ ان شیطان کے پجاری ڈاکوؤں کے حوالے کر دیں۔ آہ بے چاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیور سے بھی محروم ہو گئی۔

ڈاکو سب کچھ لوٹنے کے بعد پھرتی سے اترے اور پہلے سے کھڑی ہوئی ہائی لکس میں بیٹھ کر رفو چکر ہو گئے۔ بس کے تمام سیاحوں کو لٹ جانے کا افسوس تو ضرور ہوا اور وہ اس عنصر پر بھی انگشت بدنداں رہ گئے کہ ان کی بس میں سیاحوں کے بھیس میں ڈاکو کیسے گھس آئے۔ بہرحال وہ مسرور بھی تھے کہ ان کی جانیں تو بچ گئیں۔

راولپنڈی ایوب پارک والے دلخراش واقعے نے تو ان دونوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں ایوب پارک میں گھومنے پھرنے کے بعد سبزہ زار پر سستا رہے تھے کہ تین پولیس مین وہاں پہنچ گئے۔

ان میں سے ایک فرعونی انداز میں بولا "اوئے۔ تم کس شہر کے رہنے والے ہو۔ تمہارے ساتھ یہ نر گسی آنکھوں والی حسینہ کون ہے۔"

"ہم ٹورسٹ ہیں۔ اور امریکا سے آئے ہیں۔ یہ میری بیوی نورین ہے۔"

"امریکا سے تو آئے ہو لیکن کیا امریکن ہو۔"

"ہم اوریجنل تو پاکستانی ہیں لیکن اب امریکا میں سیٹل اور گرین کارڈ ہولڈر ہیں۔"

"آہا۔ تو پھر تو تم لوگ امریکن ہو" دوسرے پولیس مین نے حقارت سے کہا اور تیسرے سپاہی نے وہی گھسا پٹا سوال دہرایا۔

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ حسینہ دلربا تمہاری بیوی لگتی ہے۔"

"ثبوت تو امریکا میں ہے۔"

"پاسپورٹ۔ دونوں اپنا اپنا پاسپورٹ دکھاؤ۔"

"وہ تو ہوٹل میں ہیں۔"

"تو پھر چلو تھانے میں۔"

قانون کی حفاظت کرنے والے۔ ہم وطنوں کی عزت بچانے والے بغیر کسی جرم و گناہ کے معصوم میاں بیوی کو پولیس اسٹیشن لے آئے اور ان دونوں کو ایس ایچ او کے روبرو پیش کر دیا۔ تو ایس ایچ او نے مسکراتے ہوئے ان سپاہیوں نے پوچھا۔ "ان

دونوں نے کیا جرم کیا ہے؟"

"صاحب۔ آپ ان کے بیگ کو کھول کر دیکھیے تو سہی۔ پھر آپ کو ان کا قصور خود بخود پتا چل جائے گا" ایک پولیس مین نے طنزیہ ہنسی میں کہا۔

"اچھا تو بیگ کھولو۔"

"بیگ کھولا گیا۔ تو اس میں سے ایک کلو ہیروئن برآمد ہوئی۔"

ایس ایچ او ہیروئن کو دیکھتے ہی قہر بھرے غصے میں گویا ہوا۔

"تو تم دونوں اسمگلر ہو؟"

نوید پریشان ہو کر بولا "صاحب۔ ہم اسمگلر نہیں ہیں۔ ہم تو باعزت شہری ہیں۔ یہ آپ کے سپاہیوں کا کارنامہ ہے کہ جنہوں نے ہمارے بیگ میں ہیروئن رکھ دی ہے۔"

تھانے دار طیش میں آکر اٹھا اور گالی نکالتے ہوئے بولا "الو کے پٹھے۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود قانون کے محافظوں پر الزام تراشی کرتے ہو۔"

پھر وہ گرج کر بولا "بند کر دو ان اسمگلروں کو حوالات میں۔"

اور ان دونوں کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ آدھا گھنٹا گزرا تھا کہ تھانے دار ان کے پاس آیا اور پیار بھرے لہجے میں بولا "نوید۔ یہ پاکستان ہے' پاکستان۔ اگر اپنی اور اپنی بیوی کی آبرو بچانا چاہتے ہو تو پچاس ہزار پاکستانی روپے ہمیں دے دو۔ ہم تم دونوں کو چھوڑ دیں گے۔ نہیں تو تم دونوں عمر بھر جیل میں رہو گے اور تمہاری بیوی کا مال و متاع بھی چھین لیا جائے گا۔"

"لیکن میرے پاس تو صرف تیس ہزار روپے ہیں اور وہ بھی ہوٹل میں ہیں میرے اٹیچی کیس میں۔ اگر آپ ۳۰ ہزار روپے میں ہمیں چھوڑ سکتے ہیں۔ تو میں تیار ہوں۔"

"اوکے۔ ہمیں منظور ہے۔ تم دونوں رات عزت کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں رہو گے۔ پھر صبح ہم تمہیں چھوڑ دیں گے بعوض ۳۰ ہزار روپے کے۔"

دوسرے روز ایس ایچ او نے اپنا خاص آدمی ان کے ساتھ بھیجا۔ جو ان دونوں کو اس بینک میں لے گیا جس میں تھانے دار کا خاص آدمی منیجر کے عہدے پر فائز تھا۔ وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹی سی کیش ہوئے۔ جس کی رقم تھانے دار کے خاص آدمی کو ملی اور نوید اور نورین کو قانون کے محافظوں سے رہائی ملی۔ اور وہ لٹے لٹے ہوٹل پہنچے۔

نوید نے سیروسیاحت کا پروگرام کینسل کردیا۔ ہوٹل کی وساطت سے امریکا جانے کی ریزرویشن کروائی اور اسی روز پاکستان چھوڑ دیا۔

جب وہ امریکا پہنچے تو نورین کی امی وڈیڈی نے پاکستان کے سفر کا حال پوچھا تو نورین کی آنکھوں میں اور رخساروں پر سرخی لہرا گئی۔ اس کی نس نس میں غم وغصے کا طوفان اٹھنے لگا وہ حقارت بھرے لہجے میں بولی۔

"توبہ توبہ۔ ہم تو پاکستان کا بھول کر بھی نام نہیں لیں گے۔ بلاشبہ وہاں اچھے لوگ بھی رہتے ہوں گے لیکن وہاں راج تو لٹیروں اور چوروں کا ہے۔ کوئی بصیرت کا چور ہے' کوئی بصارت کا چور۔ کوئی محسوسات کا چور ہے۔ کوئی انسانیت کا چور ہے۔ کوئی محنت کا چور ہے۔ کوئی ریاضت کا چور ہے۔ کوئی دولت کا چور ہے۔ اور کوئی عزت کا چور ہے' عصمت کا چور ہے۔"

"آپ لوگ تو پاکستان کی تعریفیں کرتے تھکتے نہیں تھے لیکن پاکستان جاکر مجھے اور نوید کو پتا چل گیا ہے کہ جو لوگ ایک دفعہ امریکا آجاتے ہیں تو پھر وہ پاکستان جانے کا نام کیوں نہیں لیتے۔ جنت کو چھوڑ کر کون جائے گا۔ پاکستان تو دوزخ ہے۔"

بھولے سے اگر کوئی صنف نازک گھر کی چار دیواری سے باہر کہیں گھوم پھر رہی ہو تو ہر نگاہ حتی کہ در و دیوار بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وہاں کسی کی عزت محفوظ نہیں۔ جان محفوظ نہیں۔ عزت و جان ان کی ہی محفوظ ہے جو دولت مند اور بدمعاش ہیں۔

میں تو اللہ کی شکر گزار ہوں کہ میں جہنم میں جاکر جلنے سے محفوظ رہی اور میری عصمت بچ گئی۔ میں جب تھانے میں بند تھی تو ایک سپاہی آنکھیں مٹکا مٹکا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ اگر میں ایک رات سے زیادہ تھانے میں رہ جاتی تو نہ جانے وہ میری کیا درگت بناتے۔ وہ مجھے ضرور چیر پھاڑ کر کھا جاتے۔"

توبہ توبہ میں تو زندگی بھر پاکستان جانے کا نام نہیں لوں گی۔ پاکستان جہنم ہے جہنم۔"

"نورین۔ اگر امی جان کے زمانہ شناس ماموں فرخ حیات زندہ ہوتے تو شاید پاکستان میں ہمیں اتنے تلخ دن نہ دیکھنے پڑ جاتے۔ مزید برآں نانا نانی بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ اگر وہ باحیات ہوتے تو ہم کچھ دن ان کے پاس جہلم گزار لیتے اور منگلا ڈیم بھی دیکھ لیتے" نورین کی زہریلی باتیں سن کر نوید نے تحمل بھرے انداز میں پاکستان کی ترجمانی کی کوشش کی۔

"اگر جہلم نہیں دیکھا تو کیا ہوا۔ دوسرے شہروں کو دیکھنے کا مزا جو چکھ لیا۔ وہی کافی ہے" نورین نے اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے ذرا سلجھے لہجے میں جواب دیا۔

"نوید۔ تم نے پہلے ماموں فرخ کا کبھی ذکر نہیں کیا۔ اگر وہ ہوتے تو ہمیں پاکستان میں برے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ آپ کی اسی بات سے عقدہ کھلتا ہے کہ آپ کے ماموں کوئی بڑے آدمی تھے۔ ہیں نا۔"

"یس۔ ماموں فرخ مرحوم سیشن کورٹ کے معزز وکیل تھے۔ ان کے سیاست دانوں اور دانشوروں سے گہرے مراسم تھے" نوید نے آہ بھر کر کہا۔

نوید نے اپنے کلام کو جاری رکھا "مرحوم اعلی صفات کے مالک تھے۔ وہ بڑے ہنس مکھ و ملنسار تھے۔ ممانی فوزیہ بھی نیک خاتون تھیں۔ ماموں اور ممانی کی شادی میں محبت کا کوئی دخل نہ تھا۔ ان کی شادی ارینجڈ میرج تھی اور والدین کی پسند تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹوٹ کر پیار کرتے تھے۔ لیکن اللہ جل جلالہ کو ان کی محبت پر ترس نہ آیا۔ انہیں سوغات حیات سے نہیں۔ اولاد نرینہ سے محروم رکھا۔ دس برس گزر گئے۔ گیارہواں برس شروع ہوا تو ممانی فوزیہ اولاد نہ ہونے کی فکر میں بیمار رہنے لگیں۔

ایک روز ماموں نے پیارے لہجے میں ان سے پوچھا "رانی۔ تم ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی ہو۔ اللہ نے تمہیں سب کچھ دے رکھا ہے۔ ایک اولاد سے ہی محروم رکھا ہے اور تم نے اولاد نہ ہونے کا غم گلے میں باندھ رکھا ہے۔ آخر کیوں۔۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو ممانی نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"سرتاج۔ میری کوکھ سے کسی بچے نے جنم نہیں لیا۔ آپ بھی مٹی سے ہی بنے ہیں۔ آپ کے دل میں بھی اولاد نرینہ کی ضرور خواہش ہوگی۔ اور آپ بھی ضرور دوسری شادی کرلیں گے اور مجھے خلوت کے بے رحم گرداب میں ڈال دیں گے۔ یہ احساس میرے دل کے نشیمن کو جلا رہا ہے۔ یہ احساس میرے لئے آسمانی بجلی ہے۔ اگر بجلی گری میرے نشیمن دل پر تو پھر میں تو تباہ و برباد ہو جاؤں گی' میں جل جل کر بھسم ہو جاؤں گی۔ بھسم۔"

"ناں۔ کرمانوالی ناں۔ بلاشبہ میں بھی مٹی سے بنا ہوں۔ میں بھی انسان ہوں۔ لیکن میں ان انسانوں جیسا نہیں ہوں جو اولاد نہ ہونے کا مورد الزام آدم زادی کو بناتے ہیں۔ دوسری شادی کرلیتے ہیں اور پہلی کو طلاق دے دیتے ہیں۔ یا۔ اس کا جینا دوبھر کردیتے ہیں۔ نہ وہ جی سکتی ہے۔ نہ مر سکتی ہے۔

تمہیں خوشیوں سے سرشار کرنے کے لئے آج میں نے ایک فرحت آمیز فیصلہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ میں اپنی چھوٹی بھانجی رخشندہ کو بیٹی بنالوں گا۔ دوسرا یہ کہ آج سے یہ مکان میں تمہارے نام کررہا ہوں تاکہ تمہارے دل کو تسلی رہے کہ میں دوسری شادی نہیں کروں گا۔"

اور ماموں نے میری ماں رخشندہ کو اپنی بیٹی بنالیا" نوید نے روہانسا ہو کر نورین کو بتایا اور اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھا۔

میں جب بھی امی اور ابو کے ساتھ ماموں و ممانی کو ابو ظہبی سے ملنے پاکستان گیا تو ماموں و ممانی نے ہم سے بہت اچھا سلوک کیا۔ میں بھی امی کی طرح ان کو ماموں و ممانی کہتا تھا۔ وہ دونوں مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ ماموں ہمیں لاہور کی خوب سیر کراتے۔ کبھی کبھار وہ مجھے اپنی گاڑی میں عدالت بھی لے جاتے تھے۔

آہ پھر وہ دونوں اپنی گاڑی میں ہی جل کر مر گئے۔ مزنگ چونگی لاہور پر ایک مخالفت سمت سے آنے والی ویگن سے ان کی فوکس ویگن ٹکرا کر الٹ گئی اور آگ کے شعلوں

کے لپیٹ میں آگئی۔ اس دلخراش سانحے کی اطلاع ہمیں کسی نے نہ دی۔ ہمیں اطلاع دیتا بھی کون۔ نانی نانا تو اس وقت اس دنیا فانی میں تھے ہی نہیں۔ اگر وہ ہوتے تو تب بھی انہیں کوئی بھی مطلع نہ کرتا۔ کیونکہ ماموں و ممانی کی موت کے بعد ممانی کے رشتے داروں نے ہر چیز پر قبضہ کرلیا۔ ممانی کے دونوں بھائی قبضہ کرنے کے مجاز بھی تھے۔ اس لئے کہ لاہور کی کوٹھی اور دیگر املاک ماموں نے ممانی کے نام پر ہی لکھا رکھی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ممانی کی وفات کے بعد ان کی جائداد پر قانونی طور پر ان کے رشتے داروں کا ہی حق بنتا تھا۔ اور ان کے قریبی رشتے دار تو ان کے بھائی اور بہنیں ہی تھیں۔ میری ماں تو لے پالک بیٹی تھی اور میری ماں کے لئے ماموں نے کوئی وصیت بھی نہیں کر رکھی تھی۔

اس وقت میں بارہویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اپریل کے مہینے میں سالانہ امتحان ختم ہوئے تو اپریل کے آخری ہفتے میں ہم ابو ظہبی سے لاہور پاکستان آئے۔ جبکہ ماموں و ممانی کا ایکسیڈنٹ مارچ کے آخری ہفتے میں ہوا تھا۔ ہمارے پہنچنے پر تو ان کا چہلم بھی نہیں ہوا تھا۔ ہم نے اپنے آنے کی اطلاع حسب معمول بذریعہ خط دے دی تھی۔

جب ہمیں ائرپورٹ لینے کوئی نہ آیا تو امی ابو اور مجھے بہت افسوس ہوا لیکن جب ہم اپنے ماموں کے گھر پہنچے تو ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ یہ جان کر کہ ہمارے ماموں و ممانی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

اور نورین! پتا ہے کہ اس المناک سانحے کی اطلاع ہمیں کس نے دی۔ کوٹھی کے نئے مالک نے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے بارہ لاکھ کی کوٹھی خریدی ہے۔ افسوس کہ ممانی کے رشتے داروں نے ہمارے ماموں کی کوٹھی کو اونے پونے داموں میں بیچ دیا تھا وہ بھی ان کے چہلم سے پہلے۔ نہ فاتحہ نہ درود۔"

ماموں و ممانی کی المناک موت کی خبر سن کر ہم سب پر سکتہ طاری ہوگیا۔ ہمیں مالک مکان نے چند دن رہنے اور ان کا چہلم ماموں کے مکان میں ہی کرنے کی آفر بھی دی لیکن ابو نے قبول نہ کی۔ ہم نے اسی روز واپسی کی ریزرویشن کرائی اور واپس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابو ظہبی آگئے۔ ہم نے ماموں و ممانی کا چہلم بھی ابو ظہبی میں ہی کیا۔

"سرتاج۔ مجھے آپ کے ماموں و ممانی کی موت کا سن کر بہت دکھ ہوا ہے۔ میری دعا ہے کہ رب العزت ہمارے ماموں و ممانی کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ہم آج ہی ان کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کا بندوبست کریں گے۔ ٹھیک ہے ناں نوید۔ میرے نوید سائیں۔"

"تھینک یو نورین" نوید نے رومال سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

○☆○

سانجھ سویر اور لیل و نہار معمول کے مطابق گزرتے رہے۔ شروع شروع میں تو نوید پابندی وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے والدین کو خط لکھ دیتا اور کبھی کبھار فون پر بات بھی کرلیتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خط و کتابت بند ہوگئی اور حال احوال پوچھنے کا وسیلہ صرف اور صرف فون بن گیا۔

نورین سے شادی ہونے کے بعد نوید ابو امی کو ملنے کے لئے صرف دو دفعہ ابو ظہبی گیا وہ پانچ سال کے طویل عرصے کے دوران صرف اور صرف دوبار۔ بغیر نورین کے۔ جس کا شکوہ اس کے والدین نے کیا اور نوید نے ہنس کر ٹال دیا۔

وقت گزرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نوید کے گلشن میں دو خوب صورت گلوں کا اضافہ کردیا۔ پھر اس نے اپنا من دھن اپنے گلشن کی آبیاری کی نذر کردیا اور اپنے چمن کے مالیوں کو بھلا دیا۔ اس کے چمن کے باغبان اس کی جدائی اور بے وفائی کی تیز آگ میں جلنے لگے۔ جب گلستان کے مالیوں کی قوت برداشت وہمت جواب دے گئی تو وہ دونوں اپنے لخت جگر نوید کے پاس امریکا پہنچ گئے۔

نوید اور نورین نے خوب ان کی آؤ بھگت کی۔ نوید کے دونوں بیٹے جنید اور حفیظ بھی ان کے گرد منڈلاتے رہے اور ان پر پیار نچھاور کرتے رہے۔

جنید دادا کا پیارا اور چھوٹا حفیظ دادی کا پیارا بیٹا بن گیا۔ رات کو جنید دادا کے پاس اور حفیظ دادی کے پاس سوتا۔

فرحت کے ایام تو پل بھر میں گزر جاتے ہیں لیکن مفارقت کے ایام بہت طویل اور گھٹن زدہ بن جاتے ہیں۔ انسان گھٹ گھٹ کر انہیں گزارتا ہے" بالکل اسی طرح ندیم اور رخشی کے لیل و نہار پلک جھپکنے میں گزر گئے۔ آخر انہیں ابو ظہبی کے لئے رخت سفر باندھنا ہی پڑا۔ ڈیپارچر لاؤنج میں گلے لگاتے اور خدا حافظ کہتے ہوئے ندیم نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "بیٹا۔ نوید' میں نے تمہارے لئے لاہور میں ایک بہت بڑی کوٹھی خریدی ہے۔ ایک معروف علاقے میں۔ ماڈل ٹاؤن میں۔"

بیٹا آپ لوگ امریکا کو خیرباد کہہ کر پاکستان چلے جائیں۔ پھر ہم بھی ابو ظہبی چھوڑ کر پاکستان آجائیں گے۔ اکھٹے رہیں گے تو ہماری ویران زندگی کے ویران باغ میں بہار آجائے گی۔ ہمارے دل کے مرجھائے پھول کھل اٹھیں گے۔

کیا ہمارا بیٹا اور ہماری بیٹی نورین ہماری ننھی سی آرزو پوری کریں گے؟ بولو بیٹا نوید۔ بولو بیٹی نورین۔"

"بابا جانی۔ ہم امریکا نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم امریکا کے شہری بن چکے ہیں۔ اب ہم امریکا میں ہی رہیں گے۔ آپ ابو ظہبی چھوڑ کر ہمارے پاس آجائیں۔ آپ ہمارے پاس ہی رہیں اور ہمارے چھوٹے سے آنگن میں خوشیوں کی کرنیں بکھیر کر اسے منور کردیں" نوید نے سر جھکا کر جواب دیا جبکہ نورین نے چپ رہنا مناسب سمجھا۔

"ہاں دادا دادی۔ آپ ہمارے پاس آجائیں" جنید اور حفیظ دونوں بھائیوں نے مچلتے ہوئے کہا۔

اپنے جگرپاروں کا جواب سن کر ندیم کا دل کرچی کرچی ہوگیا۔ رخشندہ کا کلیجہ بھی کباب ہوگیا لیکن دونوں نے اپنا اپنا کلیجہ تھام کر شبنمی آنکھوں اور چھلنی دل کے ساتھ جنید اور حفیظ کے رخساروں کو چوما۔ نوید اور نورین کو گلے لگایا اور خدا حافظ کہہ کر ڈیپارچر لاؤنج کے اندر داخل ہوگئے۔

○☆○

ندیم واپس ابو ظہبی پہنچا تو اسے اپنے پوسٹ بکس سے اپنے گہرے دوست اسد کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خط ملا جسے وہ تقریباً فراموش کرچکا تھا۔ اسد قطر میں اس کا آٹھویں سے دسویں تک کلاس فیلو رہا تھا۔ اس کا باپ امانت علی قطر آرمی میں ڈیپوٹیشن پر تین سال کے لئے آیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ سالہا سال ان کو جدا ہوئے ہوچکے تھے۔ باوجود اس کے اسد کو اس کا اتا پتا کیسے ملا۔

اسد جو علامہ اقبال ٹاؤن جہاں زیب بلاک میں رہتا تھا۔ اس نے ندیم کو بمع فیملی کے اپنے بیٹے اطہر کی شادی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔

ندیم اپنے یار کے بیٹے کی شادی میں شرکت کے لئے شادی سے ایک ہفتہ پہلے لاہور پہنچ گیا۔ اس نے اپنے آنے کی اطلاع اسد کو خط میں لکھے ہوئے فون پر بروقت دے دی تھی لہٰذا اسد اسے ائرپورٹ پر ریسیو کرنے کے لئے پہنچ گیا۔

اگرچہ ندیم کی اپنی کوٹھی ماڈل ٹاؤن میں موجود تھی جو اس نے کچھ عرصہ پہلے ہی خریدی تھی اور وہ شادی سے ایک ہفتہ پہلے بیوی کے ہمراہ اسی لئے آیا تھا کہ وہ کچھ دن اپنے خوب صورت بنگلے میں رہ سکے لیکن اس کی خواہش ادھوری ہی رہی۔ اسد اسے کنونس کرکے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا۔

"میرے پیارے دوست۔ تم اور بھابی دونوں صرف اور صرف میرے بیٹے کی شادی میں شرکت کرنے کی غرض سے ابو ظہبی سے لاہور آئے ہو اور یقیناً شادی پر تمہارا کافی خرچہ بھی ہوگا۔ تم میرے لئے اتنا کچھ خرچ کرو' میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اڑ کر میرے پاس پہنچ جاؤ۔ اور میں بدقسمت چند دن تمہیں اپنے پاس رکھ کر خاطر تواضع نہ کرسکوں۔ نہیں دوست مجھے اپنے حق سے محروم نہ کرو' میں اپنے حق کے لئے تم سے لڑ بھی سکتا ہوں۔"

ندیم نے اپنے دوست کی خواہش کے آگے اپنی آرزو کی سپر پھینک دی اور اس کے ساتھ ہی اس کے گھر آگیا۔ شادی کی تیاری میں ندیم اور اس کی بیوی رخشی نے ان کا خوب ہاتھ بٹایا۔

پھر شادی ہوئی اور خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ دوسرے روز دعوت ولیمہ ہوئی

ولیمہ کا انتظام اسد نے اپنے گھر پر ہی کیا تھا۔ اس کی کوٹھی کا کشادہ صحن تھا۔ اس نے صحن کو دو حصوں میں تقسیم کرکے شامیانے لگادیے تھے۔ ایک حصے میں عورتوں اور دوسرے حصے میں مردوں کے اٹھنے بیٹھنے اور کھانے کا انتظام تھا۔

چونکہ ندیم گھر کا ہی فرد تھا یعنی اسد کا گہرا دوست تھا۔ اس لئے اسے عورتوں کے حصے کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ جب عورتیں ضیافت ولیمہ سے پیٹ پوجا کررہی تھیں تو اس کی نظر ایک خوب صورت بچی پر پڑی تو وہ ششدر رہ گیا۔ وہ سوچوں کی وادی میں ڈوب گیا۔ وہ چپکے سے وہاں سے کھسک آیا اور اسد کو پکڑ کے عورتوں کے شامیانے کے پاس لایا اور بچی کی جانب اشارہ کرکے پوچھنے لگا "اسد۔ وہ بچی کون ہے؟"

"بچی شہزاد کی بیٹی ہے اور اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت بچی کی ماں گل بکاؤلی ہے۔"

"بچی کا نام کیا ہے؟" ندیم نے تجسّس سے پوچھا۔

"بچی کا نام رباب ہے۔"

"شہزاد کے ابو اور امی کا نام کیا ہے؟"

"شہزاد کے ابو کا نام حشمت علی اور ماں کا نام زاہدہ ہے۔"

زاہدہ کا نام سن کر ندیم سوچ میں پڑگیا۔ اس کے ذہن کے کینوس پر ماضی کی فلم چلنے لگی اور وہ بے خیالی میں بولا اٹھا "یہ تو وہی ہے۔"

"یہ تو وہی ہے۔ اس سے تمہارا کیا مطلب۔ اور تم رباب اور اس کا شجرہ نسب کیوں پوچھ رہے ہو؟" اسد نے ورطہ حیرت میں ڈوب کر پوچھا۔

"ہاں میں بچی رباب کی دادی زاہدہ کو جانتا ہوں۔ رباب عین لعین اپنی دادی پر گئی ہے۔ یہ اپنی دادی کی شبیہ ہے۔ یہی بات پوچھنے کے لئے تو میں تجھے بلا لایا ہوں" ندیم نے اپنی پریشانی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے فی البدیہہ جواب دیا۔

"تم زاہدہ کو کیسے جانتے ہو؟"

"میں جب قطر میں تھا تو زاہدہ و حشمت کی طمطراق کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس شادی میں شریک تھا۔ میری موجودگی میں ہی حشمت کا بیٹا شہزاد پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد میرا ٹرانسفر ابو ظہبی ہوگیا۔ بعد کے حالات کا مجھے علم نہیں۔ حشمت کے کتنے بچے ہوئے مجھے معلوم نہیں۔"

"ندیم۔ حشمت وزاہدہ کا صرف ایک ہی بیٹا ہے شہزاد۔ ان کی کوئی بیٹی نہیں۔"

"اب حشمت وزاہدہ کیسے ہیں؟" ندیم نے تجسّس سے پوچھا۔

"وہ تو مرچکے ہیں۔"

"وہ دونوں مرگئے۔ کب مرے؟" ندیم نے سرد آہ بھر کر پوچھا۔

"وہ دونوں اکٹھے مرے۔ دو نہیں بلکہ تین اکٹھے مرے۔ زاہدہ کی ماں زبیدہ نے بھی ان کے ساتھ ہی لبیک اجل کہا۔"

"یہ بھیانک حادثہ کیسے رونما ہوا" ندیم نے مغموم ہوکر پوچھا۔

"ہماری کوٹھی سے دائیں ہاتھ پر تیسری کوٹھی شہزاد کی ہے۔ یہ کوٹھی شہزاد کے نانا مرحوم قاضی رفیع الدین کی تھی۔ ان کو اس کوٹھی میں رہنا نصیب نہ ہوا۔ وہ اس میں رہنے کے لئے آرہے تھے کہ قطر میں ہی ان کو ہارٹ اٹیک ہوگیا اور وہاں ہی ان کے جسد خاکی کو دفنا دیا گیا۔

پھر شہزاد کے ابو حشمت' امی زاہدہ اور نانی زبیدہ مرحوم کا چہلم منانے پاکستان آئے۔ ابھی چہلم کر بھی نہ پائے تھے کہ چند دنوں کے بعد وہ اپنی کوٹھی میں مردہ پائے گئے۔ جب تینوں کے ایک ساتھ جنازے اٹھے تو ہر ایک کی آنکھ اشکبار تھی۔"

"کیا ان کی موت طبعی تھی۔ اور یہ دلخراش سانحہ کب ہوا۔"

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق تینوں کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ یہ المناک حادثہ تقریباً سات سال پہلے وقوع میں آیا ہوگا۔"

"اللہ زاہدہ مرحومہ کو جنت الفردوس نصیب کرے" ندیم نے آہ بھر کر کہا۔

"تم نے دعا صرف زاہدہ مرحومہ کے لئے کیوں مانگی ہے۔ اس کے شوہر حشمت مرحوم اور امی مرحومہ کی مغفرت کے لئے ہاتھ کیوں نہیں اٹھائے؟" اسد نے حیران

ہوکر پوچھا۔

"میں شرمندہ ہوں کہ میرے منہ سے صرف زاہدہ کا نام نکلا۔ رب العزت ان تینوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"

اسد نے آمین کہہ کر ندیم کا ساتھ دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ چاند ثانیوں کے بعد ندیم نے مسرت و تاسف کے امتزاج سے پوچھا۔

"رباب کے کتنے بہن بھائی ہیں؟"

"رباب کا صرف ایک بھائی ہے جس کا نام سمیر ہے۔ اکلوتی بہن کا اکلوتا بھائی" اسد نے جواب دیا۔

"ندیم بھائی۔ اب شائد عدالت کی کارروائی ختم ہوچکی ہے' اب میں جاؤں۔" اسد نے پوچھا۔

اسد وہاں سے جانے کے بعد اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور ندیم سیدھا رباب اور گل بکاؤلی کے پاس آیا اور پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"بیٹی رباب۔ چاول' سویٹ یا روٹی دودھ اور تو نہیں چاہئے۔"

"نہیں بابا" رباب نے توتلی زبان میں جواب دیا جبکہ گل بکاؤلی ایک اجنبی سے اپنی بیٹی کا نام سن کر ششدر رہ گئی۔

شام کی سرخی کو رات کے سرمئی اندھیرے نے اپنے آنچل میں چھپالیا تو ندیم شہزاد کی کوٹھی کی طرف کشاں کشاں چل پڑا۔ کوٹھی کی نام کی تختی پر نظر پڑی جس پر کاشانہ حشمت کندہ تھا۔ کاشانہ حشمت پڑھ کر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی۔ وہ اشکبار آنکھوں کے ساتھ دھیمے دھیمے قدم اٹھاتا ہوا واپس آگیا لیکن اسے رات بھر نیند نہ آئی۔

رخشی کی رات کو اچانک آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ ندیم بستر سے غائب تھا۔ وہ کمرے کے کونے میں رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے ٹانگیں سامنے کی میز پر رکھی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں اور اپنے آپ سے محو گفتگو تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شہزاد۔ میں تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ تڑپ رہا ہوں۔"

شہزاد کا نام سن کر رخشندہ حیران ہو گئی۔ اس کے پلے کچھ نہ پڑا۔ وہ سمجھ نہ سکی کہ شہزاد کون تھا جس کے لئے اس کا خاوند تڑپ رہا تھا۔ وہ افسردہ ہو گئی۔ اس نے غم کی چادر اوڑھے ندیم کو ہلایا اور گویا ہوئی۔

"ندیم۔ یہ شہزاد کون ہے جس سے تم باتیں کر رہے تھے۔"

"شہزاد۔ شہزاد۔" وہ ہکلایا۔

"ہاں۔ میں شہزاد کے بارے میں پوچھ رہی ہوں" رخشی نے کہا۔

"شہزاد ہے نا۔ شہزادی تو نہیں۔ تو پھر تم فکر کی آگ میں کیوں جل رہی ہو؟"

"جلیں' میرے دشمن۔ تم یہ بتاؤ' یہ شہزاد کون ہے؟"

"ارے ہونق۔ شہزاد میرے دوست حشمت مرحوم کا بیٹا ہے۔ شہزاد قطر میں پیدا ہوا تھا۔ کل ہی میرے استفسار پر اسد بھائی نے بتایا تھا "شہزاد میرے دوست حشمت کا بیٹا ہے۔ جو برسہا برس مجھ سے بچھڑا رہا۔ اور جب میں اس کے دیس آتا ہوں تو منوں مٹی کے نیچے آرام سے سو رہا ہے۔ اب میرا دوست حشمت تو اس دنیا میں نہیں ہے۔ لیکن اس کی نشانی شہزاد کے روپ میں جھلملا رہی ہے۔ میں اس کی کرنوں سے اپنے دل کو منور کرنے کے لئے بے چین ہوں۔ بے حد بے قرار ہوں۔"

"اوہ۔ اب میں سمجھی۔ ندیم واقعی تمہیں اپنے دوست کے بیٹے سے ملنا چاہئے۔ لیکن اب تو رات کا پچھلا پہر ہو چکا ہے۔ اب سو جاؤ صبح ناشتا کرنے کے بعد ہم دونوں چلیں گے" رخشی نے ندیم کو دلاسا دیا۔

"ٹھیک ہے رخشی۔ ہم ناشتہ کرنے کے بعد چلیں گے۔ ویسے بھی کل جمعہ ہے۔ شہزاد گھر پر ہی ہو گا۔"

○☆○

جمعہ کا سورج شان و شوکت کے ساتھ طلوع ہوا۔ رات بھر بوندا باندی ہوتی رہی تھی۔ صبح بھی فلک پر بدلیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں تیر رہی تھیں۔ لیکن سورج کی منہ

زور کرنیں چھن چھن زمین پر اجالا بکھیر رہی تھیں۔ ہلکی سی خنک ہوا چل رہی تھی۔ موسم بڑا سہانا تھا۔

ندیم اور رخشی دونوں ہاتھ منہ دھو کر ناشتا کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے کہ اسد نوکرانی سے ناشتے کی ٹرے اٹھوائے ان کے کمرے کی طرف آیا اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو ندیم نے دروازہ کھول دیا۔ اسد اور ان کی نوکرانی کو ناشتا اٹھائے اپنے سامنے دیکھا تو ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائے ندیم بولا۔

"یار اسد۔ آج تو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اور آج ہی تو نے ناشتہ کروانے میں دیر کرا دی۔"

اسد جواب دیے بغیر کرسی پر بیٹھ گیا اور خادمہ سے مخاطب ہوا۔

"اوکے فاطمہ۔ تم ناشتہ میز پر رکھو اور جاؤ۔"

فاطمہ کے جانے کے بعد اسد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بھابی جان کہاں ہیں؟"

"باتھ روم میں ہیں۔"

معا رخشی باتھ روم سے باہر نکلتے ہوئے بولی "السلام علیکم۔ بھائی جان۔"

"وعلیکم السلام بھابی" اسد نے پیار سے کہا اور ہنستے ہوئے مزید بولا۔

"بھابی۔ ندیم کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ آؤ جلدی سے ناشتہ کر لو۔ نہیں تو کسی بلی کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

ندیم اور رخشی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ پھر قہقہہ بھری فضا میں تینوں نے مل کر ناشتہ کیا۔ ناشتے کرنے کے بعد ندیم بولا "بھائی اسد۔ اب تو شادی کی گہما گہمی ختم ہو گئی ہے۔ کل ہم نے ابو ظہبی چلے جانا ہے۔ ایک دن کے لئے تو ہمیں اپنے گھر ماڈل ٹاؤن جا کر رہنے کی اجازت دے دو۔ کم از کم ایک دن تو ہم وہاں رہ سکیں اور اپنے خادم اور اس کی بیوی کو ضروری ہدایات دے سکیں جو ہمارے گھر میں رہ رہے ہیں۔"

"ارے پاگل' مکان کرائے پر کیوں نہیں چڑھا دیتے۔ سات آٹھ ہزار کرایہ مل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔"

"اگر کوئی اچھا کرایہ دار مل جائے تو کوٹھی کرایہ پر دے دوں گا۔ تمہاری نظر میں کوئی اچھا آدمی ہو تو بتا دو۔"

"نہیں۔ فی الحال تو نہیں ہے۔ اگر کوئی مل گیا تو پھر تمہاری کوٹھی کرایہ پر چڑھا دوں گا۔ آج تم دونوں کو میری طرف سے گھر جانے کی اجازت ہے۔ تمہاری بھابی تو بہو رانی کے ناز نخرے اٹھانے میں لگی ہوئی ہیں اس لئے وہ تو جا نہیں سکے گی۔ میں تم دونوں کے ساتھ جاؤں گا۔ کوٹھی بھی دیکھ لوں گا اور تمہارے نوکر سے بات چیت بھی کرلوں گا تاکہ اسے پتا چل جائے کہ میں تمہارا دوست ہوں اور تم نے کوٹھی کرائے پر دینے کے لئے مجھے اختیار دے دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے" ندیم نے کہا اور پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ندیم۔ کہاں چل دیے؟" اسد نے پوچھا۔

ابھی ہم دونوں میاں بیوی اپنے دوست کے بیٹے شہزاد سے ملنے جا رہے ہیں۔ ایک گھنٹے تک آجائیں گے پھر میں تمہیں ماڈل ٹاؤن لے جاؤں گا تاکہ تم ہمارا گھر دیکھ سکو۔"

"ہاں۔ ہاں ضرور شہزاد سے ملو۔ آج جمعہ ہے ' آج ڈاکٹر صاحب گھر پر ہوں گے۔"

"کیا کہا۔ کیا شہزاد ڈاکٹر ہے؟"

"ہاں بھئی 'شہزاد ڈاکٹر ہے اور شہر کا مانا ہوا ڈاکٹر ہے۔"

"آہا۔ میرا شہزاد ڈاکٹر ہے" اس نے ہنسیاں بکھیرتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا تم نے۔ میرا شہزاد چہ معنی دارد" رخشی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اری کم بخت۔ تمہارے ذہن میں تو ہر وقت شک کا سانپ رینگتا رہتا ہے۔ شہزاد میرے دوست کا بیٹا میرا بھی بیٹا ہی بنتا ہے۔ اگر تم زیادہ شک کی آگ میں جل رہی ہو تو میں بیٹے کے بجائے بھتیجا کہہ دیتا ہوں۔ میرا بھتیجا" ندیم نے اپنی غلطی کو چھپانے

کے لئے لہجہ تبدیل کر دیا۔

"ہاں بھابی 'ندیم ٹھیک کہتا ہے" اسد نے لقمہ دیا۔

"ہاں ٹھیک ہی کہتا ہے" رخشی نے دھیمے لہجے میں کہا اور پھر شہزاد سے ملنے ندیم کے ساتھ چل پڑی۔

ندیم نے انجانے خیالوں کی ندی میں ڈبکی لگاتے ہوئے اطلاعی گھنٹی پر انگلی رکھ دی۔ باب وا ہوا تو ندیم نے اپنے سامنے سڈول جسم 'دراز قد' گورے رنگ اور باوقار پرسنالٹی کا شخص سامنے کھڑا دیکھا تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ خیالوں ہی خیالوں میں اڑنے لگا "یہی شہزاد ہے۔ میرا شہزاد۔ کتنا خوبرو۔ کتنا گبرو جوان ہے۔"

اپنے سامنے ایک ناشناسا مرد اور عورت کو دیکھ کر شہزاد نے مسکراتے ہوئے سے پوچھا "انکل آپ کون ہیں؟ آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

جب ندیم نے کوئی جواب نہ دیا تو شہزاد آنٹی کی طرف متوجہ ہوا "آنٹی۔ آپ لوگ کون ہیں 'کس لئے آئے ہیں؟"

معاً ندیم اپنی سوچوں کے گرداب سے باہر نکلا اور بولا۔

"بیٹے۔ میں تمہارا ابو ہوں" ابو کہتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

"آپ میرے ابو ہیں۔ آپ پاگل ہیں" شہزاد نے ذرا غصے میں کہا۔

"بیٹے۔ یہاں آکر یہ پاگل ہو گئے ہیں۔ پاگلوں جیسی باتیں کرنے لگے ہیں" رخشی نے اپنے حسین لبوں پر تاسف کی لکیر بکھیرتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا' تم دونوں نے۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ میری زبان لڑکھڑا گئی اور تم دونوں نے مجھ پر پاگل ہونے کا دھبا لگا دیا۔"

"ارے بیٹا شہزاد۔ تم نے بھی میری پاگل بیوی پر یقین کرلیا۔ ارے بیٹا' میں کہنا چاہتا تھا کہ میں تمہارے ابو کا دوست ہوں۔ اور میں نے کہہ دیا۔ میں تمہارا ابو ہوں۔ بیٹے میں اور تمہارے ابو گہرے دوست تھے۔ ہم نے جوانی کا زمانہ قطر میں گزارا۔"

شہزاد نے قطر کا نام سنتے ہی فرط مسرت سے کہا "انکل آیئے۔ آنٹی آیئے' اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آیئے۔ پلیز اندر آیئے۔"

پھر شہزاد وہاں سے ہی چلایا۔

"گل۔ رباب' سمیر دیکھو تو سہی کون آیا ہے؟"

"کون آیا ہے؟" گل نے کچن سے ہی پوچھا۔

"میرے ابو مرحوم کے دوست اور ان کی بیوی آئی ہیں" شہزاد نے فرط مسرت سے کہا۔

ابو کی چمکی دمکی باتیں سن کر رباب اور سمیر بھی کچن کے پاس پہنچ گئے۔

"وہ کہاں ہیں؟"

"سٹنگ روم میں بیٹھے ہیں۔"

گل اپنے بچوں کے ساتھ سٹنگ روم میں آئی اور مسکراتے ہوئے گویا ہوئی

"السلام علیکم۔ انکل و آنٹی' خوش آمدید۔"

"جیتی رہو بیٹی" ندیم اور رخشی دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"رباب' سمیر کیا تم دونوں اپنے دادا کے دوست سے نہیں ملو گے" ندیم نے چہکتے ہوئے بچوں کے سے لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں دادا جان' دادی جان" رباب دادی دادی کہہ کر رخشی اور سمیر ندیم کے ساتھ چمٹ گیا۔

ندیم اور رخشی ناشتا کر کے آئے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے شہزاد۔ گل اور بچوں کے ساتھ مل کر دوبارہ ناشتہ کیا۔

ندیم ان سب کو حشمت و مغفور زاہدہ مرحومہ اور قطر کی باتیں سناتے رہے۔ باتیں کرتے کرتے تین گھنٹے گزر گئے لیکن ان کو پتا نہ چلا۔

پھر ندیم نے ان سے اجازت مانگی۔

"اچھا بیٹا شہزاد' بیٹی گل' ہمیں جانے کی اجازت دو۔"

"نہیں انکل۔ اب کھانا کھا کر جایئے گا" گل نے برجستہ کہا۔

"بیٹی گل' کل ہمیں ابو ظہبی جانا ہے اور آج اپنے مکان کو دیکھنے ماڈل ٹاؤن بھی جانا ہے۔"

"انکل آپ کا بنگلہ ماڈل ٹاؤن میں ہے" شہزاد نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا۔"

"تو پھر ہمیں بھی دکھایئے۔"

"تو چلو ہمارے ساتھ۔"

"میں ابھی پورچ سے گاڑی نکالتا ہوں۔"

گاڑی کی پچھلی نشست پر ندیم' رخشی گل بیٹھ گئے۔ ندیم کی گود میں رباب اور رخشی کی گود میں سمیر بیٹھا۔ اگلی نشست انہوں نے اسد کے لئے خالی رکھی۔ پھر وہ اسد کے گھر آئے' اسد کو لیا اور ماڈل ٹاؤن کی طرف چل پڑے۔

وہ سب ندیم کے گھر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رات کو ندیم نے اسد اور شہزاد کو مع بال بچوں کے اپنے گھر میں عشائیہ کی دعوت دے دی۔ تو شہزاد نے کہا۔

"انکل۔ ہم آپ کی دعوت اس صورت میں قبول کریں گے کہ آپ دن کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔"

"لیکن بیٹا۔ کل تو ہم نے ابو ظہبی چلے جانا ہے۔"

"تو ایک دن کے لئے پروگرام ملتوی کر دیں۔ پرسوں چلے جایئے گا۔"

"جانا تو پرسوں ہی پڑے گا۔" رخشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ ہفتے کو تو فلائٹ ابو ظہبی جاتی ہی نہیں ہے اور ہماری ریزرویشن بھی اتوار کو لاہور سے پی کے ۳۰۳ اور کراچی سے ابو ظہبی کے لئے پی کے ۲۸۳ سے ہے جو بالترتیب لاہور سے صبح کے گیارہ بجے اور کراچی سے رات کے آٹھ بجے پرواز کرتی ہیں۔"

"تو کل اتوار نہیں ہے کیا؟" ندیم نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کل تو ہفتہ ہے" رخشی نے کھلکھلا کر کہا اور اس کے ساتھ ہی سب کے قہقہے فضا میں بکھر گئے۔ اور پھر اتوار کو حسب پروگرام ندیم و رخشی ابو ظہبی روانہ ہو گئے۔ لاہور انٹرنیشنل ائرپورٹ پر ان دونوں کو شہزاد، گل سمیر، رباب اور اسد الوداع کہنے کے لئے آئے۔

○☆○

ندیم امریکا گیا تھا تو اس کے جگر پاروں نے اس کا جگر چیر دیا تھا۔ وہ جگر افگار و چاک ابو ظہبی پہنچا تھا۔ اس کے سینوں میں آرزوؤں کا سفینہ ڈوب چکا تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ اس پر مہربان تھا۔ گھر پہنچا تو اسے اپنے جگری یار کا خط ملا۔ وہ اپنے عصر شباب کے دوست کی خواہش کو ٹھکرا نہیں سکتا تھا۔ وہ اس کے بیٹے کی شادی میں شرکت کے لئے زندہ دل لاہور پہنچا تو اسے خوشیوں نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اسے شہزاد مل گیا جو بہت ہی ملنسار اور غمگسار تھا۔ اس کی بیوی گل بکاؤلی مل گئی جو واقعی اسم بامسمی تھی، ایک مسکراتا ہوا پھول تھی، گلاب کی طرح نازک اور خوب صورت تھی، گلاب کی طرح مسکراتی تھی، بہت ہی ہنس مکھ و خوش طبع تھی۔

شہزاد اور گل کی پھلواری کے غنچے تو ہیرے تھے۔ انمول ہیرے۔ جنہیں سینے سے لگانے سے روح کو سکون ملتا تھا، سکون۔

وہ خوشیوں میں گھرا لاہور سے ابو ظہبی پہنچا۔ وہ ہر وقت مسکراتا اور مسرور رہتا۔ اپنی حورا رخشی سے چہک چہک اور لہک لہک کر باتیں کرتا۔ رخشی ایک باشعور و غیور عورت تھی۔ اس کے باوجود وہ اس امر کو نہ سمجھ سکی کہ اس کا شوہر ان دنوں خوش کیوں رہنے لگا تھا۔ وہ اکثر خلوت میں راز کی گرہ کو کھولنے کی کوشش کرتی لیکن وہ ظفر مند نہ ہوتی۔

لاہور سے پلٹے ایک ماہ ہی بیت پایا ہو گا کہ ندیم کو اپنے نوکر دلبر کا فون ملا۔

"مالک۔ ایک بہت اچھی پارٹی ملی ہے جو مکان کرایہ پر لینا چاہتی ہے۔ کرایہ بھی منہ مانگا دینے پر تیار ہے۔ وہ ہمارے بنگلے میں شادی دفتر کھولنا چاہتی ہے۔ انہوں نے

اسد سے بھی بات کی تھی۔ وہ بھی آج ہی شاید رات کو آپ سے بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے دلبر۔ میں اسد کے فون کا انتظار کروں گا۔ ان سے پوری تفصیل سننے کے بعد فیصلہ کرپاؤں گا۔ تم میرے فون کا انتظار کرو۔"

"اٹھیک ہے مالک۔"

اسد کی پارٹی سے بات ہوئی۔ پارٹی کیا تھی ایک محترمہ تھیں اور ان کے ساتھ ایک خوب صورت قدو قامت کا لڑکا تھا۔ جس کی عمر ۲۰ سال کے لگ بھگ ہو گی۔ میڈم کا نام نسرین تھا۔ وہ ۳۵ سال کے پیٹے میں ہو گی۔ اگر ۳۵ سال سے ان کی عمر زیادہ بھی ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن شکل و صورت سے وہ اسی عمر کی لگتی تھیں۔ میڈم کا جسم سڈول، ناک ستواں، رنگ گورا، بال ترشے ہوئے اور آنکھیں غزالی تھیں۔

"وہ جتنی خوب صورت تھی اتنی ہی خوش گفتار بھی تھی۔ اس نے اپنی سریلی آواز میں اسد سے کہا۔

"اسد صاحب۔ ہم آپ کے دوست کی کوٹھی ایک نیک کام کے لئے کرایہ پر لینا چاہتے ہیں۔ ہم یہاں شادی دفتر کھول کر بے برگ و نوا لڑکیوں اور عورتوں کی زندگیوں میں خوشیوں کی جوت جگانا چاہتے ہیں۔ معاشرے سے ٹھکرائی ہوئی عورتوں کو تحفظ دینا چاہتے ہیں۔ آرزو مندوں کی ادھوری تمناؤں کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ ہمیں اپنی نیک مشن میں کام کرنے کا موقع فراہم کریں گے۔"

"کیوں نہیں میڈم۔ کیوں نہیں۔ میں آج ہی اپنے دوست ندیم کو ابو ظہبی فون کروں گا۔ اس سے پوچھ کر آپ کو بتا دوں گا۔ لیکن لکھا پڑھی میں ایک ہفتہ تو لگ ہی جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ بائی دی وے۔ آپ کے دوست ابو ظہبی میں کام کرتے ہیں؟"

"ہاں میڈم۔"

"کیا عمر ہو گی ان کی؟" میڈم نسرین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن آپ ان کی ذاتی زندگی کے متعلق سوال کیوں پوچھ رہی ہیں؟" اسد نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورطہ حیرت سے پوچھا۔

"اسد صاحب۔ جیسے مالک مکان اپنے مکان کو کرایہ پر دینے سے پہلے اسے ہر طرح سے کھنگالتا ہے۔ جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ کرایہ دار اچھا ہے تب ہی وہ مکان کرایہ پر دیتا ہے۔ عین بعین کرایہ دار کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ صاحب مکان اچھا ہو اور اس کی اچھائی کو جانچنے کے لئے اسے تھوڑے سے کوائف پوچھنے ہی پڑتے ہیں" نسرین نے دھیمی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"او آئی سی۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ ہو گی لیکن لگتے وہ چالیس سال کے ہیں۔ ماشاء اللہ ان کی صحت بہت اچھی ہے۔ مجھ سے بھی اچھی۔"

اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور نسرین بھی ہنس پڑی اور پھر اس نے ہنستے ہوئے سوال کیا "ان کے کتنے بچے ہیں؟"

بچے کا نام سن کر اسد خوف زدہ ہو گیا۔ تھوڑے توقف کے بعد روہانسا ہو کر گویا ہوا "بیٹا اس کا صرف ایک ہے اور وہ بھی شاید شادی کے ایک سال کے بعد ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اللہ نے اسے اولاد سے محروم رکھا لیکن اسے اس بیٹے سے اچھائی کی کوئی امید نہیں ہے۔ پچھلے ماہ ہی میرے دوست نے بتایا تھا کہ اس کا بیٹا امریکا میں سیٹل ہو چکا ہے اور وہیں اس نے شادی کر لی ہے۔ اب اس کا واپس آنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔"

"پھر تو تمہارا دوست اچھی قسمت والا نہیں۔ اس نے بیٹے کو لکھایا پڑھایا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکا بھیجا اور وہ وہیں کا ہو کے رہ گیا۔ نہ ماں باپ کی خدمت کی اور نہ اعلیٰ تعلیم سے اپنے ملک کو فائدہ پہنچایا۔"

نسرین نے افسردگی کی چادر لپیٹ کر بڑی ہوشیاری سے وکالت کی۔ پھر اس نے دوسری چال چلی۔

"ماشاء اللہ آپ کے دوست جوان ہیں ان کی زمین بنجر ہے۔ تو پھر وہ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ جب وہ بوڑھے ہو جائیں گے' ان کی بیوی بھی بوڑھی ہو جائے گی تو

پھر تو انہیں پانی پلانے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔"

"میڈیم۔ تمہاری تجویز سو فی صد ٹھیک ہے۔ میں اپنے دوست کو سمجھاؤں گا" اسد نے جواب دیا۔

"صرف سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ انہیں شادی' دوسری شادی کرنے پر مجبور کیجئے۔ شادی دفتر تو ان کے بنگلے میں ہی کھل جائے گا۔ انہیں عروس جمیلہ ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی" نسرین نے ہنستے ہوئے کہا۔

نسرین اسد کو کنونس کر کے واپس آ گئی۔ جونہی گھر میں داخل ہوئی تو اس نے اپنی بیٹی کو آواز دی "نشاط بیٹی۔ گرم گرم چائے لاؤ ساتھ پیسٹری بھی لانا۔ آج میں بہت خوش ہوں۔"

"ماں۔ تم تو ہر روز ہی خوش رہتی ہو۔ آج کون سی انمول خوشی مل گئی ہے۔"

معاوہ لڑکا جو اس کے ساتھ اسد کے پاس گیا تھا۔ مسکراتے ہوئے گویا ہوا "آنٹی۔ میں دو سال سے بطور منیجر آپ کی خدمت کر رہا ہوں بلکہ میں آپ کے لئے قربانی کا بکرا بنا ہوا ہوں۔ تو آپ اس بکرے کو کب گھاس ڈالیں گی۔ کب اس ننھی تمنا کو تعبیر کا لبادہ اوڑھائیں گی۔"

"ہاں اماں۔ اب ہم دونوں زیادہ عرصے الگ الگ نہیں رہ سکتے۔ اب ہم دونوں کو شادی کے بندھن میں باندھ ہی دو۔" نشاط نے ماں کی جبیں کو چومتے ہوئے کہا۔

"نشاط بیٹی۔ چند دن اور صبر کرو صرف چند دن۔ میرا پلان کامیاب ہو جائے تو۔"

"کون سا پلان" ابھی نسرین نے اپنی بات مکمل ہی نہیں کی تھی کہ اس کی بیٹی نے پوچھ لیا۔

پھر نسرین نے اپنی پوری اسکیم اپنی بیٹی نشاط اور اس کے منگیتر نبیل کے گوش گزار کر دی۔ جسے سن کر وہ جھوم اٹھے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گنگنانے لگے۔

○☆○

نسرین عورت نہیں بلکہ طوائف تھی۔ وہ پڑھی لکھی تھی۔ ایک معزز خاندان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے تعلق رکھتی تھی' اس کا باپ تحصیل دار تھا۔ جب وہ دسویں جماعت میں پڑھتی تھی تو اس کی محبت تحصیل آفس میں کام کرنے والے اسٹینو گرافر مجید سے ہو گئی۔ جب ان کی محبت میں جوبن آگیا اور ان کی چاروں اطراف قوس قزح کے رنگ بکھر گئے تو مجید اپنی محبوبہ نسرین کو بھگا کر لاہور لے آیا۔ ماموں اس کا ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانا۔

"بیٹا۔ نسرین کے ابو کو پتا چلے گا کہ تم اس کو فرار کر کے لے آئے ہو تو وہ تمہارے خاندان کی ایک ایک لڑکی کو حوالات میں بند کرادے گا اور ان کی آبروئیں خاک میں ملوادے گا۔ تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ پھر وہ لڑکی جو تمہارے ساتھ گھر سے بھاگ آئی ہے' جس نے اپنے والدین کی عزت کو خاک میں ملادیا ہے' کل اسے کوئی تم سے خوب صورت مزدل گیا تو پھر یہ تمہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ بھاگ جائے گی۔"

"نہیں ماموں' نسرین ایسی نہیں ہے۔ بس میرا اس سے نکاح کروا دیجئے۔ ہم میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ جیسی تمہاری مرضی۔"

رات کے پچھلے پہر جب مجید اور نسرین سو گئے تو مجید کا ماموں ہیرا منڈی گیا اور ایک کوارٹر پر ہلکی سی دستک دی۔

باب وا ہو تو ایک مسکراتی چنچل لڑکی نے کہا "آیئے حضور۔ اندر آیئے۔"

حمید دبے پاؤں اندر آگیا۔

چنچل لڑکی نے حمید کو اپنی مرمریں بانہوں میں لے کر کہا "آیئے حضور اس مسہری پر آرام فرمائیں۔ میں ایک منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" خوبرو لڑکی نے ایک انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"میں نائیکہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ۔ سرکار۔ مجھے پسند نہیں کر رہے تو میں نائیکہ کو بھیج دیتی ہوں" وہ مسکرائی اور مٹکتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

چند منٹوں کے بعد نائیکہ آگئی جو بہت ہی خوب صورت اور بھڑکیلے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ وہ آتے ہی حمید کے پاس بیٹھ گئی اور اسے اپنی بانہوں میں لے کر بولی۔

"سرکار۔ میں آگئی ہوں۔ آپ جیسے جہاندیدہ لوگ مجھے ہی پسند کرتے ہیں اس لئے کہ ایک تو میں خوب صورت بھی ہوں۔ دوسرے یہ دھندا کرتی بھی کم ہوں۔

"نہیں نائیکہ۔ میں اس کام کے لئے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں۔ میں تم سے ایک سودا کرنے آیا ہوں۔"

"کیسا سودا؟" اس نے مسرور ہو کر پوچھا۔

"میرے پاس ایک انمول الماس ہے۔ وہ تمہیں نذر کرنے آیا ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔ ہر قیمت پر منظور ہے۔"

"مجھے قیمت وغیرہ نہیں چاہیے۔"

"اور ہم بغیر قیمت ہیرا خریدتے نہیں۔"

"تو پھر جو دل میں آئے دے دیجئے گا۔"

"منظور"

حمید نے نسرین کو دس ہزار روپے میں بیچ دیا۔

دوسری رات نائیکہ کے تین آدمی پلان کے مطابق حمید کے گھر آئے۔ اکیلے کمرے میں سوئی ہوئی نسرین کو بے ہوشی کی دوا سونگھائی اور اسے باہر لائے۔ کار میں ڈالا اور ہیرا منڈی میں لے آئے۔

نسرین جب صبح سو کر اٹھی تو اسے پتا چل گیا کہ وہ بے پر کی ہو چکی تھی اور وہ طوائف بن چکی تھی۔ جب مجید صبح اٹھا تو اس نے ہر جگہ نسرین کو دیکھا۔ جب وہ کہیں نہ ملی تو اس نے ماموں سے پوچھا۔

"ماموں۔ نسرین کہاں گئی ہے؟"

"بیٹا۔ اندر' اپنے کمرے میں ہوگی۔"

"ماموں۔ وہ گھر میں کہیں بھی نہیں ہے۔ ہر جگہ دیکھ لیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر وہ کسی یار کے ساتھ بھاگ گئی ہوگی۔"

"نہیں ماموں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس میں ضرور آپ کا ہاتھ ہے" مجید نے فریاد کی۔

"نہیں بیٹا نہیں۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ اگر وہ بھاگی نہیں تو پھر اپنے گھر چلی گئی ہوگی۔ وہ سمجھ دار ہے اسے معلوم ہے کہ کون سی گاڑی اس کے شہر جاتی ہے۔ وہ ضرور چلی گئی ہوگی۔"

مجید بے چارہ کیا کرتا' مجبور تھا۔ مان گیا اور منہ لٹکا کر لاہور سے واپس اپنے شہر آگیا۔

○☆○

نسرین پڑھی لکھی عورت تھی۔ اپنے ماں باپ کی ناک تو اس نے کٹادی تھی۔ اس کے لئے سب راستے بند ہو چکے تھے۔ اس نے ہیرا منڈی کے گھر کو ہی اپنا گھر بنالیا۔ ہمیشہ کا گھر۔ وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا۔ کروٹیں بدلتا رہا۔ کچھ عرصے کے بعد اس کی کوکھ سے نشاط نے جنم لیا تو اسے مجید بہت یاد آیا۔ مجید یاد بھی کیوں نہ آتا۔ وہ ایک ہیرا تھا' ہیرا۔ نشاط ہو بہو اپنے باپ پر گئی تھی۔ خوب صورت سی گڑیا۔

پھر وقت اپنی رفتار سے گزرنے لگا۔ نسرین نائیکہ بن گئی۔ وہ تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ اس نے ہیرا منڈی کو چھوڑ دیا اور رام گڑھ میں مکان لے کر شادی گھر کھول لیا۔ وہ شادی گھر بھی چلاتی اور مجبور و بے بس لڑکیوں سے دھندا بھی کرواتی۔ اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں اس نے شادی گھر میں صرف ایک منیجر رکھا ہوا تھا۔ جو شادی وغیرہ ارینج کرتا اور نسرین کے اور یجنل کاروبار کو بھی چلاتا۔ جہاں نسرین رہتی تھی وہاں اڑوس پڑوس والوں کو نسرین کی اصلی کاروبار کا پتا چل چکا تھا اور انہوں نے مالک مکان سے اسے ایک ماہ کے اندر مکان خالی کرنے کا نوٹس دلوادیا تھا۔

تب اسے مالک مکان کے روپ میں ندیم ایک اچھا شکار مل گیا تھا۔ اور وہ اپنے آسان سے شکار کو دام فریب میں جکڑنے کی منصوبہ بندی کر چکی تھی۔ جس میں اس نے

اپنی بیٹی نشاط اور منیجر نبیل کو بھی شریک کرلیا تھا۔

○☆○

اسد نے ابو ٹھی ندیم کو فون پر بتایا۔

"ندیم۔ تمہاری کوٹھی کے لئے اچھے کرایہ دار مل گئے ہیں۔ کرایہ بھی معقول دینے پر رضامند ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ ایگریمنٹ کرنے کے لئے دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ تم کوٹھی کو کرایہ پر چڑھانے کے لئے مجھے مختار کار بنادو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تم خود یہاں آجاؤ اور ان سے ایگریمنٹ کرلو۔"

"اسد۔ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔ میں کل تمہیں پاکستان کے وقت کے مطابق رات نو بجے فون کروں گا۔"

"اوکے ندیم۔"

ندیم فون ریسیو کرنے کے بعد رات بھر سوچتا رہا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود پاکستان جائے گا اور کوٹھی کرایہ پر دے آئے گا۔

پاکستان جانے میں اسے ایک اور فائدہ بھی تھا۔ وہ یہ کہ وہ شہزاد' گل' سمیر اور رباب سے مل سکتا تھا جو اس کے لئے چمکتے ستاروں کی کہکشاں تھی۔ جن کی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنوں سے اس کے دل کے آنگن میں خوشیوں کا اجالا بکھرا ہوتا تھا۔

ڈیوٹی پر جانے سے پہلے اس نے اپنی بیوی رخشی سے صلاح لی "رخشی۔ کل اسد کا فون آیا تھا لیکن میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا بنگلے کے لئے اچھے کرایہ دار مل گئے ہیں.. اس نے کرایہ دار کے ساتھ کاغذی کارروائی وغیرہ کے لئے مجھے ہفتہ عشرہ کے لئے پاکستان بلایا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ہم دونوں ہفتہ بھر کے لئے پاکستان چلتے ہیں۔ ایک تو اپنے ملک کی پربہار فضاؤں اور فرحت آمیز نظاروں سے بھی دل بہلا آئیں گے۔ دوسرا اپنا بنگلہ بھی کرایہ پر چڑھا آئیں گے۔"

"ندیم۔ تم کہتے تو ٹھیک ہو۔ لیکن میرے خیال میں اگر تم اکیلے چلے جاؤ تو بہتر رہے گا۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ان دنوں مجھے بلڈ پریشر زیادہ تکلیف دے رہا ہے۔ دوائی تو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھا ہی رہی ہوں لیکن اس حالت میں سفر کرنا میرے لئے مضر ہو گا۔"

"او آئی ایم ساری رخشی۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ پرسوں جمعرات ہے۔ میں انشاء اللہ پرسوں ایک ہفتے کے لئے چلا جاؤں گا۔ دو دن اضافی جمعے کے بھی مل جائیں گے۔ ٹھیک ہے ناں۔"

"ٹھیک ہے سرتاج" رخشی نے نیم دلی سے اجازت دے دی۔

حسب وعدہ ندیم نے اسد کو لاہور فون کیا۔ "ہیلو اسد۔"

"یس اسد اسپیکنگ"

"اسد۔ میں ندیم بول رہا ہوں۔ میں انشاء اللہ اس جمعہ کو پی کے ۳۶۰ سے پونے چار بجے لاہور پہنچ جاؤں گا۔"

"او کے ندیم۔ میں انشاء اللہ تمہیں ریسیو کرنے ائرپورٹ پر موجود ہوں گا۔ اچھا ذرا بھابی سے بھی سلام دعا تو کرا دو۔"

"یہ لو بات کرو" ندیم نے فون رخشی کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو بھابی۔"

"یس بھائی جان!"

"بھابی' کیسی ہیں آپ؟"

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹھیک ہوں' تھوڑا بی پی ہائی ہو گیا ہے۔"

"بھابی' خطرے کی بات تو نہیں ہے؟"

"نہیں' خطرہ وطرہ کوئی نہیں' دوائی استعمال کر رہی ہوں۔"

"بھابی' پاکستان آ رہی ہیں نا آپ؟"

"نہیں بھیا۔ بلڈ پریشر کے ہائی ہونے کے سبب میں پاکستان نہیں آ رہی ہوں۔"

"اللہ آپ کو شفا دے' اگر آپ آ جاتیں تو۔"

"بھیا۔ زندگی رہی تو ملاقات ہو ہی جائے گی۔"

"بھابی۔ اللہ آپ کو لمبی زندگی عطا کرے' اچھا خدا حافظ!"

"خدا حافظ بھائی جان۔"

بروز جمعہ ٹھیک پونے چار بجے طیارے نے لاہور ائرپورٹ کے رن وے کو چھوا۔ کوئی ساڑھے چار بجے ندیم ائرپورٹ سے باہر نکلا۔ تو وہ اسد کے ساتھ دو اسمارٹ اور پیکر حسن عورتوں کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اس نے بڑھ کر اسد کو گلے لگا لیا۔

معانقے کے بعد اسد نے دونوں عورتوں میں سے بڑی اور پروقار خاتون کا تعارف یوں کرایا "ندیم۔ یہ خاتون آپ کی ہونے والی کرایہ دار نسرین صاحبہ ہیں۔" پھر اس نے نشاط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ نسرین صاحبہ کی بیٹی نشاط ہے۔"

ندیم نے قیامت خیز بجلی کو دیکھا تو اس کی چاندنی سے اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پھر چاندنی اس کی آنکھوں سے اتر کر اس کے دل میں سما گئی۔ اس کا دل ہچکولے کھانے لگا۔ ندیم نشاط کے حسن کی کرنوں سے مخمور سا ہو گیا جو اسے اپنی نشیلی وغزالی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ اپنے سپید جسم کی کرنیں بکھیر کر اسے مسحور کر رہی تھی' اس پر قیامت ڈھا رہی تھی۔

ندیم حسن وجمال کی پری کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔ اس کا ذہن بے قابو ہو گیا۔ وہ خیالوں ہی خیالوں میں سوچنے لگا "نشاط تو آسمان کی حور ہے' مجھے یقین نہیں آتا کہ زمین کی مخلوق ہے اگر یہ فلک سے اتری ہوئی اپسرا نہیں تو پھر کوہ قاف کی پری ہے' حسین وجمیل پری... پری۔"

اسد نے ندیم کو کافی دیر نشاط پر ٹکٹکی باندھے دیکھا تو وہ پریشان سا ہو گیا۔ اس نے ورطہ حیرت سے ندیم کے شانے پر ہاتھ رکھ کے کہا "ندیم آؤ' کار میں بیٹھو۔ دیر ہو رہی ہے۔"

اسد کی بے وقت آواز کو سن کر ندیم کیف وخمار کے گرداب سے باہر نکلا اور ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ پچھلی نشست پر نسرین ونشاط بیٹھیں۔ پھر اسد نے کار چلا دی اور ماڈل ٹاؤن آ کر ندیم کے بنگلے کے سامنے روکی۔

وہ سب خوشی خوشی بنگلے میں داخل ہوئے اور پلک جھپکنے میں دلبر اور اس کی بیوی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کے لئے چائے لے آئے۔ کچھ دیر کے لئے گپ شپ ہوئی اور پھر عشائیے کا دور چلا۔ جس کے لئے نسرین نے اپنے ذاتی خرچے سے اہتمام کیا تھا۔

عشائیے کے دوران بھی خوب باتیں ہوتی رہیں لیکن ندیم کی نظروں کا محور تو نشاط ہی رہی۔ کھانے کے بعد اسد نے نسرین سے کہا "میڈم۔ رات کافی بیت گئی ہے۔ آئیں چلیں' میں راستے میں آپ کو ڈراپ کردوں گا۔"

"ہاں ہاں چلیں" نسرین نے کہا۔

"نسرین! اتنی رات گئے آپ کہاں جائیں گی' یہ کوٹھی تو میں نے آپ کو دے ہی دی ہے' آپ یہیں رہ جائیں" ندیم نے ہلکا سا تبسم ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے نسرین بہن' آپ یہاں ہی رہ جائیں" اسد نے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں یہیں رہ جاتی ہوں" نسرین نے خوش ہو کر کہا۔

پھر اسد خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ اسد کے جانے کے بعد ندیم بولا "میرا خیال ہے کافی پی لی جائے۔ موقع بھی ہے' موسم بھی ہے۔"

"جیسا آپ کا ارشاد" نسرین نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ندیم نے آواز دے کر اپنے نوکر دلبر کو بلایا اور گرم گرم کافی لانے کو کہا۔ کافی آگئی تو نسرین نے ایک گھونٹ بھرنے کے بعد ندیم سے کہا "اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور پوچھیں۔"

"کیا آپ کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ بھی امریکا میں سیٹل ہو چکا ہے؟"

"ہاں۔ لیکن وہ نہ ہونے کے برابر ہے' آنکھوں سے دور تو دل سے دور۔"

"تو کیا آپ کو دوسرے بیٹے کی تمنا نہیں؟"

"ہے تو سہی۔"

"پھر آپ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"یہ منہ اور مسور کی دال' بھلا اس عمر میں' ڈھلتی جوانی میں کون میرے گلے میں

گھنٹی اور وہ بھی خوبرو گھنٹی باندھے گا۔"

"ندیم صاحب۔ کیا کہا آپ نے' مجھے آپ کی بات سن کر دکھ ہوا ہے۔ آپ اپنے آپ کو بوڑھا کہتے ہیں' آپ تو ماشاء اللہ جوان ہیں' خوب صورت ہیں۔ نظر بد دور' اگر آپ بوڑھے ہوتے تب بھی آپ کو کوئی رشتہ دینے سے انکار نہ کرتا۔ دنیا تو دولت کی پجاری ہے اور آپ کے پاس تو دولت ہی دولت ہے۔"

"واقعی!"

"بالکل"

"تو آپ ہی پجارن بن جایئے" ندیم نے نشاط کی طرف دیکھتے ہوئے نسرین سے سوال کیا۔

"میں آپ کی بات سمجھ نہیں پائی" نسرین نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے کہا ورنہ وہ تو مسرور تھی' وہ ندیم کی بات کہ تہ تک پہنچ چکی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ اس نے جو جال ندیم کے لئے لگایا تھا' اس میں ندیم پھنس چکا تھا۔

"میرا مطلب ہے آپ مجھے اپنا داماد بنا لیجئے۔"

ندیم کی فرحت آمیز بات سن کر نسرین دل ہی دل میں جھوم اٹھی لیکن مصلحت کی خاطر وہ خاموش رہی۔ تھوڑے توقف کے بعد ندیم نے پوچھا "آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ شاید آپ ناراض ہو گئی ہیں۔"

"نہیں تو۔"

"پھر میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟"

"ایک بات پر غور کر رہی ہوں' مجھے ڈر ہے...."

"کس چیز کا ڈر؟"

"آپ تو جہاندیدہ آدمی ہیں' جبکہ میری بیٹی نوخیز کلی ہے اگر کبھی آپ نے اس سے بے وفائی کی تو پھر اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ یہ کلی رہے گی نہ پھول۔ بلکہ ٹہنی سے ٹوٹا ہوا پھول بن جائے گی پھر کوئی بھی مرجھائے ہوئے پھول کو اپنے دل کے گل دان میں نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سجائے گا۔"

"نہیں نسرین۔ میں اپنے شگفتہ پھول کو مرجھانے نہیں دوں گا۔ میں اپنے دل کے خون سے اس کی آبیاری کروں گا۔"

"کوئی ضمانت؟"

"آپ کو کس قسم کی ضمانت مطلوب ہے؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو حق مہر ایک لاکھ دینا ہوگا دوسری شرط یہ ہے کہ جب میری بیٹی کی کوکھ سے بیٹے یا بیٹی نے جنم لیا تو آپ کی کوٹھی کا مالک وہ بچہ بن جائے گا اور آپ کو یہ شرط نکاح نامے میں لکھ کر دینی پڑے گی۔"

"آپ کی دونوں شرطیں معقول ہیں۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں نکاح نامے میں یہ دونوں شرطیں آپ کو لکھ دوں گا لیکن یہ بتایئے کہ نکاح کب ہوگا؟"

"ندیم صاحب۔ کل ہی اس کوٹھی پر شادی گھر کا بورڈ لگ جائے گا اور کل ہی اس کوٹھی میں پہلا نکاح ندیم اور نشاط کا ہوگا" نسرین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو نسرین۔ نہیں نہیں نسرین نہیں سمجھ نہیں آتا' میں آپ کو کس نام سے بلاؤں؟"

"ندیم۔ خوش دامن ہوتے ہوئے آپ سے بڑی ہوں لیکن عمر میں آپ سے چھوٹی ہوں۔ آپ مجھے نشاط کی امی کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ نسرین نے رنگین فضاؤں میں دھنک کے رنگ بکھیرتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو نشاط کی امی لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھیے گا' نشاط کے ساتھ میرا نکاح ٹاپ سیکرٹ ہوگا' یہ راز۔۔۔ راز ہی رہنا چاہیئے۔"

اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔ نسرین کی خواہش تو ندیم نے خود ہی پوری کر دی تھی۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو کر بولی "منظور۔"

ندیم' نسرین اور نشاط رات گئے باتیں کرتے رہے۔ نشاط نے باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی اور اس کا کلام ہوں۔۔۔ ہاں تک ہی محدود رہا لیکن وہ اپنی غزالی آنکھوں کے

غمزوں' گلابی رخساروں کی شعاؤں' طلسمی ہونٹوں کی مسکراہٹوں' شاداب بدن کی حشر سامانیوں سے ندیم کے دل کو خوشیوں سے سیراب کرتی رہی۔ پھر انہوں نے محفل نشاط آمیز برخاست کی۔ ندیم ماسٹر بیڈ روم میں اور نسرین و نشاط اس کے ساتھ والے بیڈ روم میں آرام کرنے کی غرض سے چلے گئے۔

پریمی دنیا کے قصر محبت سے باہر نکلنے کے ساتھ ہی ندیم نے بیڈ پر لیٹے لیٹے شہزاد کو فون کیا۔

"ہیلو۔" شہزاد نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"میں ندیم بول رہا ہوں۔"

"ہلو انکل۔ آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"میں لاہور سے بول رہا ہوں۔"

"ائرپورٹ سے میں ابھی ائرپورٹ آ رہا ہوں۔"

"بیٹے۔ ائرپورٹ آنے کی ضرورت نہیں' میں اپنے گھر ماڈل ٹاؤن سے بول رہا ہوں۔"

"انکل' یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ لاہور پہنچ بھی گئے اور مجھے آنے کی اطلاع نہ دی۔" شہزاد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بیٹے۔ میں نے اسد کو آنے کی اطلاع پرسوں بدھ کو دی تھی۔۔۔ اور وہ ائرپورٹ مجھے ایک پارٹی کے ساتھ ریسیو کرنے آئے تھے۔"

"لیکن انہوں نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"بیٹا۔ وقت مختصر تھا شاید بھول گئے ہوں' ویسے میں بھی تمہیں ائرپورٹ پر نہ دیکھ کر رنجور ہو گیا تھا لیکن پھر۔۔۔"

"انکل آپ خاموش کیوں ہو گئے؟"

"پھر میں اس پارٹی سے جو ائرپورٹ آئی تھی' لین دین میں ایسے مصروف ہوا کہ وقت ہی نہ مل سکا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ پارٹی کون تھی؟"

"وہ کوٹھی کرائے پر لینا چاہتے ہیں اور اس میں شادی گھر بنانا چاہتے ہیں۔"

"مبارک ہو۔ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے انکل کے گھر میں بے سہارا' ضرورت مند لوگوں کی شادیاں طے ہوں گی' بہت بہت مبارک ہو۔"

"تھینک یو شہزاد۔ لیکن کل تم ڈیوٹی سے گھر واپس جاتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ ضرور لیتے جانا' آنکھیں تم سب کے دیدار کے لئے ترس رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے انکل۔"

"اچھا شہزاد' گڈ نائٹ۔"

"گڈ نائٹ انکل۔"

دوسری طرف نسرین اپنی بیٹی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی تو دروازے کو اندر سے لاک کر کے فضا میں خوشیاں بکھیرتے ہوئے بولی "بیٹی نشاط۔ میری اسکیم بسرعت اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے' میرا شکار مکمل طور پر میرے چنگل میں پھنس چکا ہے' خلاف توقع میرا پلان بہت جلد کامیاب ہو گیا ہے۔ کل تمہیں ندیم کے نکاح کے بندھن میں باندھ دوں گی' وہ بندھن انتہائی کمزور ہوگا۔ بالکل کچے دھاگے کا۔

پھر وہ اپنی بیٹی کے رخسار پر بوسہ لیتے ہوئے بولی "بیٹی ہمارے منیجر نبیل نے ہمارے لئے بہت کام کیا ہے' اس نے ہمارے کاروبار کو وسعت بھی دی ہے اور شہرت بھی۔ وہ تمہارا منظور نظر بھی ہے اور تم بھی اس کے دل کی دھڑکن ہو۔ اب تم دونوں کی منزل قریب پہنچ چکی ہے۔ کل انشاءاللہ تم دونوں کو حجلہ عروسی میں بند کر دوں گی۔"

"سچ اماں" نشاط نے خوشی سے اچھل کر پوچھا۔

"ہاں بیٹی ... کل تم دونوں حقیقی خوشیوں کو گلے لگاؤ گے جبکہ ایک رقاصہ ندیم کے کمرے کی زینت بنے گی۔"

"جگ جگ جیو' اماں جی' پیاری اماں جی" نشاط نے اپنی ماں کی جبیں چومتے ہوئے کہا۔

"لیکن بیٹی۔ کل سے تمہارا مشکل امتحان شروع ہو رہا ہے۔ تم اپنے امتحان میں پاس ہونے کی بھرپور کوشش کرنا۔"

"ٹھیک ہے اماں ... میں ایف آئی آر کاٹنے میں تو کامیاب رہی ہوں۔ میں نے اپنی سحرزدہ نگاہوں سے ندیم کو اس طرح گرفتار کیا ہے کہ وہ بھاگنا چاہے بھی تو نہیں بھاگ سکتا۔ یہ میری حشر سامانیوں اور دلفریب اداؤں کا ہی کمال ہے کہ تم قدم بہ قدم شان و شوکت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہو۔"

"شاباش بیٹی۔ مجھے تم پر ناز و فخر ہے۔"

پھر نسرین نے نشاط کو اپنے ساتھ بیڈ پر لٹایا اور اسے سینے سے لگا کر بولی "گڈ نائٹ۔ بیٹی اب سو جاؤ۔"

"گڈ نائٹ۔ میری سویٹ مما۔"

○☆○

نئے دن کا سورج طلوع ہوا۔ دلبر اور اس کی بیوی نے اپنے صاحب اور ان کی مہمان خواتین نسرین و نشاط کے لئے ناشتا تیار کیا۔ میز پر ناشتا لگانے کے بعد دلبر اپنے صاحب کے کمرے کے پاس گیا اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دروازہ وا ہوا تو دلبر نے اپنے سامنے ندیم صاحب کو دیکھ کر کہا "صاحب جی۔ السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔"

"ناشتہ تیار ہے جی۔"

"او کے دلبر۔ میں پانچ منٹ میں آتا ہوں۔ ساتھ والے کمرے میں نسرین اور اس کی بیٹی نشاط سوئی ہوئی ہے۔ انہیں بھی اطلاع دے دو۔"

"او کے۔ صاحب جی۔"

جب ندیم ناشتے کی میز کے پر پہنچا تو نسرین اور نشاط اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ دونوں ماں بیٹی نے کرسی چھوڑ کر ندیم کو السلام علیکم کہا۔ جواب میں ندیم نے وعلیکم السلام کہا پھر نسرین رس بھری آواز میں بولی "آداب ندیم صاحب۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شکریہ نشاط کی امی" ندیم نے خوش ہو کر نشاط کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

نشاط اور اپنے درمیان کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نسرین نے کہا۔ "بیٹھئے ندیم ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے بے چینی سے" ندیم نے نسرین کا شکریہ ادا کیا اور ان دونوں ماں بیٹی کی درمیان والی کرسی پر بیٹھ گیا جو نسرین نے خاص طور پر اس کے لئے رکھ چھوڑی تھی تاکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کر سکیں۔"

ناشتہ کرتے کرتے نسرین نے کہا "ندیم صاحب۔ میرا خیال ہے کہ آج سے ہم اپنا سامان آپ کی کوٹھی میں شفٹ کرنا شروع کر دیں۔ اگر آپ برا نہ منائیں اور اجازت دیں تو نشاط اور آپ کے نکاح کی رسم دو تین دن کے لیے ملتوی کر دیں تاکہ سارا سامان شفٹ ہو جائے اور شادی کی تیاری بھی آرام و سکون سے ہو سکے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں' ویسے بھی آج مجھے اپنے دوست مرحوم کے بیٹے شہزاد کے گھر جانا ہے اور رات کا کھانا وہیں کھانا ہے' ہو سکتا ہے رات بھی وہاں ہی بسر کرنی پڑے۔ مزید برآں مجھے بھی شادی کے لئے خریداری کرنی ہے اور جس کے لئے مجھے آپ دونوں کی مدد بھی درکار ہو گی۔ جمعہ کو ابو ظہبی واپس جانا ہے اگر نکاح جمعرات تک ہو جائے تو میرے خیال میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

"واہ جی واہ۔ یہ ہوئی نا بات۔ سونے پہ سہاگے والی" نسرین کھل پڑی۔

ندیم اور نشاط نے بھی نسرین کا ساتھ دیا۔ ان تینوں کی مسکراہٹیں فضا میں بکھر گئیں۔

مسکراہٹوں کی بارش تھم گئی تو ندیم نے ذرا دھیمے لہجے میں کہا۔ "نشاط کی امی! دلبر اور اس کی بیوی سرونٹ کوارٹر میں ہی رہیں گے۔ دونوں میاں بیوی بہت اچھے ہیں' ان کے یہاں رہنے سے نشاط کو گھر کا کام نہیں کرنا پڑے گا۔ کم از کم کچن کا کام تو دلبر اور اس کی بیوی سنبھال ہی لیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے' ہم اپنے باورچی کو جواب دے دیں گے" نسرین نے خوش ہو کر جھوٹ بولا کیونکہ نسرین نے تو باورچی رکھا ہوا ہی نہیں تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد نسرین اپنی بیٹی نشاط کو لے کر چلی گئی اور بعد سہ پہر وہ اپنا ضروری

سامان ندیم کی کوٹھی میں لے آئی جبکہ باقی ماندہ سامان کی شفٹنگ دوسرے دنوں کے لئے چھوڑ دی۔

دوپہر کے وقت حسب پروگرام شہزاد ندیم کو اپنے گھر لے گیا۔ شہزاد اس کی بیوی گل اور اس کے بچے سمیر اور رباب ندیم سے مل کر بہت خوش تھے اور خوشیوں سے سرشار ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ ندیم نے رات کا کھانا شہزاد کے ہاں کھایا اور کھانے سے فارغ ہو کر اسد کے پاس چلا گیا۔ رات اس نے اسد کے گھر بسر کی۔ صبح ۹ بجے اسد' ندیم کو اس کے گھر ماڈل ٹاؤن چھوڑ گیا۔

نسرین سورج نکلنے کے بعد سے ندیم کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ وہ پچھلی رات کو کافی دیر تک سامان وغیرہ کی سیٹنگ میں لگی رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ صبح سویرے اٹھ گئی اور ندیم کا انتظار کرنے لگی۔ جب اسے اسد کی کار نظر آئی تو وہ لمبے لمبے ڈگ بھر کر صدر دروازے کے پاس پہنچ گئی اور ندیم کو خوش آمدید کہا۔ اسے ایک ایک کمرے میں لے جا کر تزئین و آرائش دکھائی۔ اس نے اسے اپنا آفس بھی دکھایا جو ایک کمرے میں بنایا تھا۔ اس نے مختلف اخبارات کے تراشے بھی اسے دکھائے جس میں اس نے شادی کے اشتہارات دے رکھے تھے۔ ندیم گھر کی سیٹنگ وغیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے نسرین کی دل کھول کر تعریف کی۔

جمعرات کے دن کا سورج اپنی دن بھر کی مسافت طے کر کے نیند کی آغوش میں سو گیا۔ چہار سو شفق پھوٹ پڑی۔ پھر سرمئی اندھیرے نے اپنا چہرہ دکھایا۔ تو فلک پر ستارے ہی ستارے نظر آنے لگے۔ ان کے ساتھ ہی ان کا چیف بدر بھی جھلملانے لگا۔ اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں سرمئی اندھیرے کو چیر کر اپنی چاندنی بکھیرنے لگیں جس سے چاروں اطراف مدھم مدھم روشنی پھیل گئی۔ ہوا میں ہلکی سی خنک تھی۔ فضاؤں میں خوشیوں کے نغمے گونج ہوئے تھے۔

ایسے پر بہار موسم میں ندیم و نشاط اور نبیل و ہوش ربا رقاصہ نزہت کے نکاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ نسرین نے اپنے کام کا مولوی محمد دین بلوا رکھا تھا۔ محمد دین اس کا اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی تھا۔ جب سے نسرین نے شادیاں کرانے کا کاروبار شروع کیا تھا' مولوی محمد دین ہی ان کا نکاح پڑھاتا تھا جن کی شادیاں نسرین طے کراتی تھی۔

نکاح سے پہلے نسرین نے چہک چہک کر ندیم سے کہا "ندیم۔ امروز اس نئے شادی گھر میں پہلا نکاح آپ کا ہو رہا ہے دوسرا نکاح میرے منیجر نبیل کا۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" ندیم نے ہنس کر کہا۔

معاً مولوی محمد دین نکاح کے کاغذات اٹھائے کمرے میں آگیا اور مٹھاس بھرے لہجے میں بولا "ندیم صاحب آپ' نشاط ولد عبدالمجید کو اپنے نکاح میں قبول کرتے ہیں؟"

"ہاں مولوی صاحب' مجھے نشاط قبول ہے۔"

"تو پھر اس نکاح نامے پر دستخط کر دیں اور شرائط بھی غور سے پڑھ لیں۔"

ندیم نے شرائط پڑھیں اور نکاح نامے پر دستخط کر دیے۔ مولوی محمد دین خوش ہو کر بولا "مبارک ہو ندیم.... مبارک ہو۔"

نسرین اور نبیل نے بھی ندیم کو مبارک دی۔

"خیر مبارک" ندیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

پھر مولوی محمد دین نے نبیل سے نقلی نکاح نامے پر دستخط کرائے۔ نبیل ندیم کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ نبیل نے بغیر نکاح نامہ پڑھے دستخط کر دیے۔ اسے نکاح نامہ پڑھنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ تو گھر کا بھیدی تھا اور ندیم کے ساتھ کھیلے جانے والے ڈرامے کا کامیاب ولن تھا.... وہ کامیاب ولن تو ضرور تھا لیکن بغیر نکاح کے وہ شوہر تو نہیں بن سکتا تھا' گناہ کا پھندا تو اس نے گلے میں پہن لیا لیکن انجام سے وہ بھی کور چشم تھا...

ندیم بھی ان کے دام تزویر میں آرام سے جکڑا گیا.... اس نے قفس فریب کو خوشی سے قبول کر لیا۔ اس لئے کہ شاید وہ.... وہ نشاط کے پیکر حسن سے پھوٹنے والی کرنوں کے حصار میں کلی طور پر مقید ہو چکا تھا۔ اس کی گھنی زلفوں کی چھاؤں تلے میٹھی نیند سویا تھا۔

ڈرائنگ روم کے ساتھ والے کمرے میں دونوں عروسان سرخ لباس زیب تن کیے اور زیورات سے لدی پھندی بیٹھی تھیں۔ ایک دلہن تو نشاط تھی اور دوسری دلہن نزہت

تھی۔

نزہت بھی نشاط کی طرح حسین و جمیل تھی۔ وہ نئی نئی طوائف بنی تھی اور نسرین کی زیر نگرانی تھی۔ نسرین اسے رات کے لئے صرف ۲۰۰ روپے عوضانہ دیتی تھی۔ لیکن اس رات تو اسے دلہن بنایا گیا تھا صرف ایک رات کی دلہن' اور اس رات کا عوضانہ دو ہزار روپے تھا۔

رات کے پچھلے پہر نسرین نے ندیم اور نبیل دونوں دولہوں کو چائے پلائی۔ ندیم کی چائے میں اس نے نشہ آور دوا ملا دی تھی کچھ دیر گزرنے کے بعد وہ دونوں کو اپنی اپنی دلہن کے کمرے میں چھوڑ گئی ندیم اپنے کمرے میں پہنچنے تک نشے میں آچکا تھا۔ اس پر نیم مدہوشی طاری ہو چکی تھی۔ ندیم کی دلہن نزہت اور نبیل کی دلہن نشاط تھی۔

جونہی ندیم کمرہ عروسی میں داخل ہوا تو تاباں حجلہ سے آراستہ مسہری پر بیٹھی عروس سے اٹھتی ہوئی کرنوں سے اس کا دل منور ہو گیا۔ نشے کے اثر سے وہ پہلے ہی جھوم رہا تھا اس لئے اسے دلہن کے ساتھ پیار بھری باتیں کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ اس نے فوراً دلہن کا گھونگھٹ اٹھایا تو دلہن کے کئی چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا "نشاط... میری نشاط.... آؤ میرے پیاسے من کی پیاس بجھاؤ۔"

وہ نشاط تو نہیں تھی وہ تو نزہت تھی' اس نے مسہری کے ساتھ لگے ہوئے سوئچ کو آف کر کے کمرے میں مکمل اندھیرا کر دیا اور ندیم کو اپنے خوابوں کی تعبیر کا لبادہ اوڑھنے کا موقع فراہم کر دیا۔"

من کی پیاس بجھانے کے بعد ندیم مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا اور نزہت سیج عروسی سے اٹھی اور دبے پاؤں نسرین کے کمرے میں آگئی جو اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"نزہت! اسکیم کامیاب رہی۔"

"ہاں نسرین۔ اس بے چارے کو تو نے شاید زیادہ ہی نشہ آور دوا پلا دی تھی۔ وہ کچھ زیادہ نشے میں تھا۔ بہرحال اس نے.... ایک داغدار پھول... ایک مرجھائے ہوئے پھول کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہک سے اپنے دل کو ضرور مہکالیا۔"

"تھینک یو نزہت" نسرین نے اس کے رخساروں کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

"نسرین۔ کیا اب میں گھر جاسکتی ہوں۔"

"کیوں نہیں! میں نبیل کو تمہارے ساتھ بھیجتی ہوں وہ تمہیں کار میں چھوڑ آئے گا۔"

نسرین نبیل کے کمرہ عروسی کے پاس آئی اور دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کنڈی نشاط نے کھولی۔ اس نے ماں کو سامنے دیکھا تو وہ شرما گئی۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیرلیا تو نسرین مسرور ہو کر گویا ہوئی۔

"بیٹی! ماں سے مت شرماؤ۔ ماں تو بیٹی کی دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہے... تمہاری حیا کی لکیر جو تمہارے چہرے پر بکھری ہے۔ یہ اس عنصر کا مترشح ہے کہ تمہارے لئے یہ مہکتی و گنگناتی رات ہے اور تم نے مہک سے اپنے دل کو..."

نشاط ماں کے فرحت آمیز جملے کو سن کر اور شرما گئی اور بیڈ پر جاکر اوندھے منہ لیٹ گئی۔ معاً نبیل بستر سے اٹھ کر بولا "زہے نصیب۔ ہماری آنٹی ہمارے کمرے میں تشریف لائی ہیں۔"

"زہے قسمت کو چھوڑو۔ ذرا اٹھو اور نزہت کو اس کے گھر چھوڑ آؤ" نسرین نے خوشیاں بکھیرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے آنٹی جان۔"

نسرین کا آفتاب حیات نو بڑے طمطراق کے ساتھ مشرقی افق سے بیدار ہوا۔ اس کی روپہلی کرنیں دریچے سے چھن چھن کر اندر داخل ہو کر اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور جھٹ نبیل اور نشاط کے کمرے کی طرف گئی اور دروازے پر خفیف سی دستک دی مبادا ندیم نہ اٹھ جائے اور منصوبے کی قلعی کھل جائے۔ نبیل نے دروازہ کھولا تو نسرین گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی "بیٹا' جلدی سے یہاں سے چلے جاؤ... اور دس بجے تک آجانا۔"

"ٹھیک ہے آنٹی جان۔"

پھر نسرین نشاط سے مخاطب ہوئی۔ "بیٹی نشاط۔ بال کھلے اور گیلے ہی رہنے دو اور جاکر بیوی کے روپ میں ندیم کو جگاؤ اور اس سے کہو کہ ممی بے چینی سے تمہارا ناشتے کی میز پر انتظار کر رہی ہیں' اتنے میں میں ناشتہ لگوا دیتی ہوں۔"

"او کے ممی" نشاط دبکتے و سنبھلتے ندیم کے کمرے میں گئی جو خرگوش کی نیند سویا تھا۔ اس نے ندیم کو کندھے سے ہلا کر جگایا۔

"اجی اٹھئے' دیر ہو گئی ہے۔"

"کیا وقت ہوا ہے؟" ندیم نے انگڑائی لیتے ہوئے پوچھا۔

"صبح کے ۹ بج چکے ہیں۔ امی آپ کا ناشتے پر انتظار کر رہی ہیں۔"

پھر نشاط نے شرماتے ہوئے کہا "پلیز جلدی سے نہا لیجئے۔"

"کیا آپ نہا چکی ہیں" ندیم نے پیار بھری آنکھوں سے نشاط کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی سرتاج۔ میں غسل کر چکی ہوں" نشاط نے سر جھکا کر کہا۔

ندیم نے فٹ بستر چھوڑا اور نشاط کے سرخ رخسار پر چٹکی بھرتے ہوئے بولا "نشاط... رات کو تو تم نے جی بھر کے میرے دل کو بہلایا... روحانی سکون بخشا... اور اب۔ اب میری سرکار شرما رہی ہیں۔"

پھر ندیم مسکراتے ہوئے باتھ روم میں گھس گیا۔ غسل کیا' کپڑے پہنے اور نشاط کے ساتھ ناشتے کی ٹیبل پر پہنچا۔ جہاں نسرین ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔

"السلام علیکم" ندیم اور نشاط دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو ندیم' جیتی رہو نشاط" نسرین نے مسکرا کر جواب دیا۔

"نبیل اور اس کی دلہن کہاں ہے؟" ندیم نے پوچھا۔

"نبیل اپنی دلہن کو اپنے گھر چھوڑنے گیا ہے... دس بجے تک آجائے گا جو کہ اس کی ڈیوٹی شروع ہونے کا وقت ہے۔"

"او آئی سی... اچھا نشاط کی امی جلدی سے ناشتا وغیرہ کرلیں اور پھر کسی جیولری شاپ پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلیں۔ ایک اچھی سی مالا نشاط کو خرید کر دینی ہے۔"

"ندیم اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

"جلدی تو ہے... آج سوا تین بجے کی فلائٹ سے تو میں نے چلے جانا ہے اور جانے سے پہلے شہزاد وغیرہ کو بھی ملنا ہے۔"

"پھر تو آپ ٹھیک کہتے ہیں" نسرین نے ہاں میں ہاں ملائی۔

ناشتا کرنے کے بعد وہ تینوں انارکلی بازار گئے۔ ندیم نے چالیس ہزار روپے کے تحفے تحائف خرید کر نشاط کو دیے۔ خریداری مکمل کرنے کے بعد وہ تینوں شہزاد واسد کے گھر گئے۔ ان سے اور ان کے فیملیز سے ملے اور بائی بائی کر کے ائرپورٹ آ گئے۔ نشاط اور نسرین نے ندیم کو بڑے پیار سے الوداع کیا اور وہ وقتی خوشیوں کو گلے لگائے ابو ظہبی آ گیا۔

○☆○

ندیم نے اپنی شادی کو ٹاپ سیکرٹ رکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب تک نشاط سے اس کا کوئی بچہ نہ ہو جائے وہ اپنی بیوی رخشی اور دنیا والوں سے اپنی شادی کا راز چھپائے رکھے۔ نسرین نے ندیم کے راز کا پردہ اس لئے چاک نہ کیا کہ اس نے تو ندیم اور نشاط کی شادی کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ وہ اس فریبی ڈرامے کا مرکزی کردار تھی۔ وہ ندیم کی کوٹھی اور جائداد پر قبضہ جمانا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے بڑی ہوشیاری سے ندیم کے اردگرد فریب کا جال بنا تھا اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب جا رہی تھی۔

ندیم و نشاط کی شادی کو راز رکھنے کے لئے نسرین اور اس کی عیار بیٹی نشاط نے کبھی بھی ندیم کو خط نہیں لکھا اور نہ کبھی گھر فون کیا۔ بلکہ جب کبھی کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی یا ندیم کو کسی معاملے کی اطلاع دینا ضروری ہوتا تو وہ آفس کے فون پر اسے فون کرتیں اور اس سے بات کر لیتیں۔

ندیم اور نشاط کی شادی ہوئے تقریباً ۹ ماہ گزر چکے تھے۔ اور تقریباً ۹ ماہ سے نشاط حاملہ تھی۔ ایک روز ندیم بڑا شاد و مسرور اپنے گھر آیا اور خوشیاں بکھیرتا اور گنگناتا بولا "رخشی جانی۔ اللہ نے میرے گلشن حیات میں ایک خوب صورت سا پھول لگایا ہے۔ پاکستان میں

میری بیوی نشاط نے ایک خوب صورت سے بچے کو جنم دیا ہے... وہ ایک گوہر ہے، ہم نے اس کا نام بھی گوہر رکھ دیا ہے۔"

"ہیں! یہ تم نے کیا کہہ رہے ہو" رخشی کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ حیرت سے اس کا منہ کھل گیا اور ورطہ حیرت میں اس نے اس سے پوچھا۔

"ہاں رخشی۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ نے ہمیں ایک بیٹا عطا کیا ہے۔ نوید تو لے پالک بیٹا ہے اور جو نافرمان بھی نکلا ہے۔ شاید اس کی نافرمانی کے عوض اللہ نے ہمیں اپنا بیٹا دے دیا ہے۔ اب ہمیں بھی نوید کی ضرورت نہیں ہے۔ بے شک امریکا میں ہمیشہ کے لئے زندگی بسر کرتا رہے ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔"

"یہ منہ اور مسور کی دال" رخشی نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو" ندیم نے طیش میں آ کر کہا۔

"میں بکواس نہیں کر رہی ہوں بلکہ اب میں ایسی حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہوں جو تمہارے لئے آسمانی بجلی بن جائے گی اور جب بجلی گرے گی نشیمن پر تو سب کچھ جل جائے گا... تمہارا غرور، تمہارے مان کا تاج محل زمین بوس ہو جائے گا۔"

"تو... تو ڈائن ہے۔ تو میرے بیٹے کی پیدائش کی خبر سن کر پاگل ہو گئی ہے" ندیم نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"ذرا مدھم آواز میں بولو... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں... اگر کسی نے سن لیا تو پھر تمہاری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی۔ میں پاگل نہیں ہوئی ہوں بلکہ جب تم حقیقت جان لو گے تو پھر تم خود پاگل ہو جاؤ گے" رخشی نے دلیل دی۔

"بکواس ہی کرتی جاؤ گی یا کچھ بتاؤ گی بھی... میں بھی تو حقیقت جانوں" ندیم نے ذرا مدھم لہجے میں کہا۔

"گوہر تمہارا بچہ نہیں... گوہر کسی اور کا بچہ ہے" رخشی نے ندیم پر زہر کا تیر چلایا۔ ندیم اس کا بکواس سن کر سرخ ہو گیا۔ اس نے زوردار تھپڑ رخشی کے منہ پر مارا اور گرج کر دھاڑا۔ "تم نیچ ہو، ذلیل ہو، بے غیرت ہو۔ تب ہی تو بکواس کر رہی ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ندیم کے طمانچے سے رخشی کے گال سرخ ہوگئے' اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اس نے اپنے گال پر بائیں ہتھیلی رکھ کر کہا "میں جھوٹ نہیں کہہ رہی' میں سچ کہہ رہی ہوں' میں گارنٹی سے کہہ سکتی ہوں کہ تم میں بچہ پیدا کرنے صلاحیت نہیں ہے۔ تمہارے خون میں ان جرثوموں کی کمی ہے بلکہ ہیں ہی نہیں جن میں بچہ پیدا کرنے کی اہلیت ہوتی ہے۔"

"تم.... تم سراسر بکواس کرتی ہو۔ بکواس' تم خود بنجر زمین ہو اور دوسروں پر خردہ بینی کرتی ہو۔"

"میں بنجر نہیں ہوں' میں تو سرسبز و شاداب کھیتی کی مالک ہوں.... ہاں یہ ضرور ہے کہ میں بدقسمت ہوں.... بدقسمت۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ.... کہ تم.... تم بانجھ نہیں ہو۔"

"ثبوت.... اس کا ثبوت یہ ہے کہ نوید.... نوید میرا سگا بیٹا ہے.... میں اس کی ماں ہوں۔"

"تم واقعی مجنون ہوگئی ہو۔ میرے بیٹے کی پیدائش کی خبر سن کر تم' تم پاگل ہوگئی ہو۔"

"میں مجنون نہیں ہوں' پاگل تم ہو جو ایک درخشندہ الماس کی قدر نہ کرسکے.... اسے اپنا مقام نہ دے سکے.... ایک باوفا بیوی سے وفا نہ کرسکے۔ اس کے ایثار کی قیمت یہ ادا کی کہ اس پر بانجھ ہونے کا الزام لگادیا' اسے پاگل بنادیا' تم تو مجھے پاگل ہی سمجھو گے جب تک میں تمہیں حقیقت نہیں بتاؤں گی"

میرے ماں باپ انتہائی غریب تھے۔ لیکن میرے ماموں صاحب حیثیت و دولت تھے۔ مجھے ماموں نے لے پالک بیٹی بنایا۔ انہوں نے مجھے اعلیٰ تعلیم دلائی' مجھے ڈاکٹر بنایا۔ پھر میں اسپیشلسٹ بنی۔ گائنالوجسٹ.... میری لاہور کے ایک معروف اسپتال میں تقرری ہوئی۔ اسی اسپتال میں ایک سینئر ڈاکٹر رمیز بھی تھا۔ رمیز پٹھان تھا اور وہ سوات کا رہنے والا تھا۔ اس کی مجھ سے دوستی ہوگئی۔ وہ مجھ سے والہانہ پیار کرنے لگا میں بھی اسے پسند ضرور کرتی تھی۔ ایک سینئر ڈاکٹر ہونے کے ناتے۔ لیکن اس سے عشق نہیں کرتی تھی۔ ایک روز وہ

پیار بھرے لہجے میں گویا ہوا "رخشندہ.... میں تم سے ٹوٹ کر پیار کرتا ہوں۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

مجھے اس کے شیریں انکشاف پر سکون میسر ہوا۔ میں حیران ہو کر اس کے منہ کی طرف ٹکر ٹکر دیکھنے لگی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا "رخشندہ۔ میرے قمر' میرے قلب میں ٹھنڈے کرنے والے روشن ستارے.... مجھے چمکتی آنکھوں سے مت دیکھو' بلکہ مجھے میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تم میرے ساتھ شادی کرکے تاحیات میرے دل کی انگنائی کو روشن کروگی؟"

"اگر آپ میرے ساتھ شادی کرنے کے آرزومند ہیں تو پھر اپنے والدین کو میرے گھر رشتہ مانگنے کے لئے بھیجئے۔" میں نے سر جھکا کے حجاب و حیا کی چادر اوڑھے کہا۔

"رخشندہ۔ میں پٹھان ہوں' مجھے میرا باپ غیروں میں کبھی شادی کی اجازت نہیں دے گا۔ وہ بھی ایک پنجابی خاندان میں" رمیز نے کہا۔

"تو پھر شادی کے چکر کو چھوڑو۔" میں نے کہا۔

"اگر میری تم سے شادی نہ ہوئی تو پھر میں اپنے آپ کو شوٹ کرلوں گا" رمیز نے بھیگی آنکھوں سے کہا۔

میرا دل پسیج گیا۔ اس کی شبنمی آنکھوں کے قطروں نے میرے دل کو نرم کردیا۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا "تو پھر میرے ماموں اور ممانی سے بات کرو۔"

"اوکے۔ رخشندہ۔"

رمیز نے میرے ماموں سے بات کی۔ میرے ماموں بڑے فراخ دل تھے وہ میری خوشیوں کو اپنی خوشیاں گردانتے تھے۔ وہ مان گئے اور پھر رمیز اور میری شان و شوکت سے شادی ہوئی۔ جب رمیز کے باپ کو شادی کا پتا چلا تو اس نے غصے سے بھرا خط لکھا۔

"رمیز۔ میں تجھے اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد سے عاق کرتا ہوں.... اب اگر کبھی بھولے سے بھی تم نے اپنی جنم بھومی کا رخ کیا تو وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

پھر رمیز اور میرے لیل و نہار خوش و خرم گزرنے لگے۔ ہم دونوں اپنے آپ کو خوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نصیبوں میں شمار کرنے لگے۔ پھر ہمارے شجر حیات پر ایک کلی نمودار ہوئی۔ جب اس کے پھول بننے کا وقت قریب آیا تو رمیز نے مجھے کار میں بٹھایا اور کار کا رخ اسپتال کی طرف کر دیا۔

شومئے قسمت ہماری کار کی ایک دوسری کار سے ٹکر ہو گئی۔ ہماری کار قلابازیاں کھاتی ہوئی سڑک کے نیچے ایک گہرے کھڈ میں گر گئی... پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اسپتال کے بیڈ پر لیٹی تھی اور میری ممانی جان میرے سرہانے تپائی پر بیٹھی تھیں۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر وہ فرط جذبات سے بولیں "شکر الحمد اللہ! میری بچی کو ہوش آگیا۔"

میں نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا جو اندر گھسا ہوا تھا تو پوچھا "ممانی۔ میرا بچہ کہاں ہے؟ میرا سرتاج رمیز کہاں ہے؟"

میری ممانی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ تو میں نے روہانسی ہو کر پوچھا۔ "ممانی جان! خدا کے لئے مجھے بتایئے' رمیز کہاں ہے... میرا بچہ کہاں ہے' اگر آپ نے صاف صاف مجھے نہ بتایا تو میں اپنا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا دوں گی۔"

"میری بچی۔ تمہارا بچہ تو مردہ پیدا ہوا تھا لیکن رمیز مردانہ وار ڈٹے تمہاری طرح بے ہوش پڑا ہے۔ تمہیں ہوش آگیا ہے... دعا کرو' وہ بھی ہوش میں آجائے" میری ممانی نے روتے ہوئے کہا۔

میں دھیرے دھیرے تندرست ہونے لگی جب میں اٹھنے کے قابل ہوئی تو میں نے ماموں سے کہا۔ "ماموں۔ مجھے وہیل چیئر پر بٹھا کر رمیز کے پاس لے چلیں۔"

"بیٹی۔ ابھی اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔ جب وہ بھی تمہاری طرح ٹھیک ہو جائے گا تو پھر ہم تمہیں اس سے ملوا دیں گے۔" ماموں نے سرد آہ بھر کے کہا۔

میرے دماغ میں شک کا سانپ رینگنے لگا۔ میں نے نرم لہجے میں کہا "ماموں۔ میں رمیز کی بیوی ہوں' میں اسے دیکھے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔ پہلے اور بات تھی کہ میں اٹھنے کے قابل نہ تھی... آج میں اٹھ کر بیٹھ گئی ہوں... لیکن چل نہیں سکتی... اگر اس وقت

میں ایک قدم بھی بھر سکتی تو میں اپنی ہمت و قناعت کی بیساکھی سے چل کر اپنے رمیز کے پاس جاتی... آپ مجھے وہیل چیئر پر بٹھا کر اس کے پاس لے چلیں نہیں تو میں خود اٹھنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

جب میں اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تو میرے ماموں نے روتے ہوئے مجھے بتایا "رخشی۔ رمیز تو ایکسیڈنٹ کے وقت موقعے پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔ وہ تو منوں مٹی کے نیچے سو رہا ہے۔"

"نہیں... رمیز نہیں مر سکتا... رمیز مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتا" میں چیخی اور بے ہوش ہو گئی۔

چند گھنٹوں کے بعد میں ہوش میں آگئی لیکن میرا دل مرجھا گیا۔ میں زرد پتا بن گئی' وہ پتا جو بن پودے کے ہوا کے دوش بدوش کو بہ کو لڑھکتا رہتا ہے... پھر میں اسپتال سے گھر آگئی۔

وقت گزرنے لگا۔ وقت نے میرے زخم کو بھر دیا لیکن رمیز کی حسین یادوں کو نہ بھلا سکا۔

ماموں میرے محسن تھے۔ ممانی میری محسنہ تھیں۔ دونوں نے مجھے پدر و مادر کا پیار دیا۔ مجھے پالا پوسا۔ میری ہر ضرورت کا خیال رکھا مجھے ڈاکٹر بنایا۔ انہیں میری لیاقت' ذہانت' سیرت اور محبت پر ناز تھا اور مجھے بھی ان سے بہت پیار تھا۔ جب انہوں نے تمہارے ساتھ میری شادی کا ذکر کیا تو میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہامی بھر لی۔ ماموں اور ممانی کی خوشیوں کی خاطر۔ پھر تم اور میں شادی کے بندھن میں باندھ دیے گئے۔

شادی کی خوشیوں سے دل کو سیراب کرنے کے بعد تم ابو ظہبی آگئے۔ تم نے رات دن ایک کر کے میرے لئے ویزا بنوایا۔ اور مجھے ابو ظہبی آنے کے لئے کہا۔ ابو ظہبی جانے سے پندرہ دن پہلے میرے ماموں بڑی چاہت سے مجھ سے گویا ہوئے۔

"رخشی بیٹی... پیاری بیٹی۔ آج میں تمہیں ایک مژدہ سنانا چاہتا ہوں... وہ یہ کہ تمہارا بچہ زندہ ہے۔ تمہارا بچہ مرا نہیں تھا... ہم نے یہ راز تم سے اس لئے چھپایا تھا کہ اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے پاس رمیز کی نشانی رہے گی تو تم کبھی بھی رمیز کو بھلا نہ سکو گی اور کبھی دوسری شادی نہ کرو گی' یہ ہم نہیں چاہتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول کا بھی یہی حکم ہے کہ بیٹی کے بیوہ یا مطلقہ ہونے کی صورت میں اس کی شادی کردی جائے۔ اسے ہرگز ہرگز گھر نہ بٹھایا جائے۔"

ماموں کی باتیں سن کر خوشی سے میرے آنسو نکل آئے۔ میں نے بھیگی مژگاں سے پوچھا "کہاں ہے.... میرا بیٹا... میرے بیٹے کا کیا نام ہے۔"

"تمہارا بیٹا.... کسی غیر کے پاس نہیں ہے.... وہ اپنی نانی اماں کے پاس رہتا ہے۔ تمہارے خوبرو بیٹے کا نام نوید ہے.... نوید۔"

"ماموں۔ خدا کے لئے مجھے نوید کے پاس لے چلو.... خدا کے لئے۔"

پھر میں ماموں اور ممانی کے ہمراہ اپنے بیٹے کے پاس آگئی۔ چند دنوں میں وہ مجھ سے مانوس ہوگیا' مجھ سے محبت کرنے لگا۔

ایک روز میں نے اسے بتادیا "بیٹا تم میرے حقیقی بیٹے ہو.... میں تمہاری ماں ہوں اور جسے تم اپنی ماں سمجھتے ہو وہ تمہاری نانی ہیں۔"

"سچ ماں!"

"ہاں بیٹے!"

میری ماں نے ہماری باتوں کو سن لیا تھا۔ اس نے خلوت میں مجھے نصیحت کی۔ "بیٹی! تو نے نوید کو تو بتادیا ہے کہ تم اس کی ماں ہو لیکن خدارا اس راز کو راز رہنے دینا۔ نہیں تو تمہاری زندگی شکست وریخت سے دوچار ہوجائے گی۔ جب تمہارے خاوند ندیم کو پتا چلے گا تو وہ تمہیں طلاق دے دے گا۔"

رخشی اپنی دل گداز کہانی طلاق کے موڑ تک سنا پائی تھی کہ ندیم گرج کر بولا "رخشی۔ تم فریبی ہو.... تم ڈائن ہو.... تم سب نے مل کر مجھے دھوکا دیا۔"

پھر وہ طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا "تمہاری ماں ٹھیک کہتی تھی.... کہ جب مجھے تمہارے لچھنوں کا پتا چلے گا تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا.... میں تجھے طلاق دیتا ہوں....

طلاق دیتا ہوں.... طلاق دیتا ہوں۔"

"اف۔ مرد بھی کتنا خود غرض ہوتا ہے.... پل بھر میں رشتہ جوڑتا ہے اور پل بھر میں ڈھا دیتا ہے.... ندیم تم نے طلاق تو مجھے دے دی ہے لیکن یہ نہیں پوچھا کہ میں کیسے جانتی ہوں کہ تم بچہ جننے کے قابل نہیں ہو۔"

"ہاں۔ ہاں بتاؤ" ندیم نے ذرا ڈھیلا پڑ کر پوچھا تو رخشی نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ جھوٹ بولا۔

"ایک روز میں بیمار تھی۔ معمول کے مطابق متعلی بیماری کے چکر میں پھنسی تھی جب کہ تم پر مردانہ ہوس کی گرفت تھی۔ تم اپنی نفسی خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے مجھے چھیڑ رہے تھے۔ تو میں نے تمہیں اپنی بیماری کا بتایا... بیماری' میری بیماری کا سن کر تم اپنا دلربا کھیل تو نہیں کھیل سکتے تھے... لیکن تم لبالب بھرے تھے' پورے جوش میں تھے' جب برتن لبالب بھر جائے تو بھرنے کے بعد پانی ضرور برتن سے باہر بہنے لگتا ہے... پھر تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ میری شلوار گیلی ہوگئی' میں ڈاکٹر تھی' ضروری آلات میں نے رکھے ہوئے تھے جن سے تم بھی واقف ہو.... تو پھر میں باتھ روم گئی۔ میں نے خوردبین سے مائع کو دیکھا' تمام کے تمام جرثومین مردہ تھے۔ یعنی تم... تم بانجھ تھے۔ اگر تم ایسے نہ ہوتے تو آج تم سے بھی میری اولاد ضرور ہوتی۔"

"تم جھوٹ بولتی ہو۔"

"اگر میں جھوٹ بولتی ہوں.... تو اسپتال جاؤ اور اپنی چیکنگ کرا کر دیکھ لو" رخشی نے حسد میں ایک اور جھوٹ کا تیر اس کے دل میں داغ دیا۔

"ٹھیک ہے.... میں ضرور چیکنگ کراؤں گا۔"

ندیم نے چیکنگ کرائی۔ ڈاکٹر نے بتایا تو وہ پانی پانی ہوگیا۔

"ندیم! تم بچہ جننے کے قابل نہیں ہو۔"

"لیکن میرا تو ایک لڑکی سے افیر چلا تھا جب میں بارہویں جماعت میں پڑھتا تھا اور وہ

.... وہ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واللہ اعلم بالصواب..... ہو سکتا ہے اس وقت تم ٹھیک ہو..... ہو سکتا ہے اس لڑکی نے تم پر بہتان تراشی کی ہو۔ ہو سکتا ہے اس لڑکی کی آہیں سن کر اللہ نے تمہیں مردانہ قوت سے محروم کر دیا ہو..... ہو سکتا ہے کہ تم بعد میں کسی بیماری کی بنا پر اس انمول طاقت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔"

ندیم منہ لٹکا کر واپس آیا تو رخشی جان گئی کہ اس کے دل کی کیا کیفیت ہے لیکن اس نے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ ندیم کرسی پر بیٹھا اور خود ہی مضمحل ہو کر بولا "رخشی تم ٹھیک کہتی تھیں..... میں بڑا بدنصیب ہوں۔ مجھے نسرین اور اس کی بیٹی نے دھوکا دیا ہے نشاط کا بیٹا میرا بیٹا نہیں ہے۔ انہوں نے میری کوٹھی اور میری جائداد پر قبضہ کرنے کے لئے ڈرامہ بازی کی ہے لیکن میں ان کے منصوبے خاک میں ملا دوں گا۔"

ندیم نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا "رخشی۔ مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی' میں نے انجانے میں تمہیں طلاق دے دی ہے۔ لیکن یہ طلاق میں نے غصے میں آ کر دی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ میں نے تمہیں طلاق دی ہے۔ لہٰذا میں تم سے ہاتھ جوڑ کر التماس کرتا ہوں کہ تم میری بیوی بن کر میرے گھر میں رہو۔"

"بھولے ندیم..... کوئی نہیں دیکھ رہا۔ خدا تو دیکھ رہا ہے۔ اب میں آپ کی بیوی نہیں ہوں' اب میں آپ کے گھر نہیں رہ سکتی۔ اب میں نوید کے گھر چلی جاؤں گی۔ وہ اور اس کی بیوی نورین اکثر مجھے فون کرتے رہتے ہیں۔ اب میں وہاں ڈاکٹر اور نوید کی ماں بن کر رہوں گی۔" رخشی نے مسکراتے ہوئے ندیم کو جواب دیا۔

"ٹھیک ہے رخشی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں' تم سے کوئی گلہ نہیں ہے' تم نے میری زندگی کو درخشاں بنائے رکھا' میں نے اپنے زندگی کے گلشن کو خود آگ لگائی ہے۔ میری زبان بجلی بن گئی اور یہی بجلی میرے نشیمن پر گری..... بجلی گری نشیمن پر تو میری دنیا شکست وریخت ہو گئی..... لیکن اب میں تم سے ایک اور صرف ایک التماس اور کرتا ہوں کہ تم اس طلاق پر پردہ ڈالے رکھنا اور نوید کو یہ راز کبھی نہ بتانا کہ میں اس کا باپ نہیں ہوں۔"

"ندیم میرا بیٹا تمہارا ہی بیٹا ہے..... میں اس حق سے تمہیں محروم نہیں کروں گی۔ ویسے

بھی اس راز کی گرہ کو کھولنا میرے حق میں بھی نقصان دہ ہو گا۔"

امیگریشن کی ضروری کارروائی کرنے کے بعد ایک ہی دن رخشی امریکا اور ندیم پاکستان روانہ ہوئے۔ چونکہ رخشی کی فلائٹ کا ٹائم صبح گیارہ بجے اور ندیم کا ٹائم رات کے دوسرے پہر تھا۔ اس لئے ندیم نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ رخشی کو الوداع کہا۔ ندیم نے نسرین ونشاط کو پاکستان اور رخشی نے اپنے بیٹے نوید کو امریکا اپنی ارائیول کی اطلاع دے دی۔

○☆○

رخشندہ اپنے بیٹے کے پاس امریکا پہنچی تو نوید نے حیران ہو کر پوچھا "ممی۔ آپ اکیلی آئی ہیں' پپا کیوں نہیں آئے؟"

"بیٹا۔ یہ ایک عبرت ناک کہانی کا نتیجہ ہے۔

عبرت ناک کہانی؟" امی۔ میں آپ کی بات سمجھ نہیں پایا۔"

"بیٹا۔ یہ تمہاری....."

"ہاں ہاں ممی' کہو..... کچھ تو کہو' چپ کیوں ہو گئیں ہیں آپ؟"

"بیٹا۔ ہم نے تمہیں پالا پوسا' اعلیٰ تعلیم دلوائی وہ بھی امریکا میں۔ لیکن ہمیں کیا پتا تھا کہ تم امریکا میں پڑھ کر امریکا کے ہی ہو جاؤ گے..... تمہاری اعلیٰ تعلیم کا ہمیں اور تمہارے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا..... ہم نے بہت کوشش کی' تمہیں بہت سمجھایا کہ تم امریکا چھوڑ کر واپس آ جاؤ..... آہ' تم نہ مانے۔

پھر تمہاری وجہ سے ہم دونوں میں تو تو میں میں ہونے لگی۔ تمہارے پپا اکثر کہا کرتے تھے کہ نوید مجھ پر ہی گیا ہے..... اگر وہ تمہارے پر گیا ہوتا تو وہ ہماری قدر کرتا۔ تمہارے بیٹے کو تو امریکا اور گرین کارڈ ہولڈر بیوی پسند ہے۔ اسے ہم سے کوئی محبت نہیں' کوئی پیار نہیں۔ اگر اسے ہم سے پیار ہوتا تو وہ امریکا چھوڑ کے ہمارے پاس آ جاتا۔"

لیکن میں بات بات پر تمہاری طرف داری کرتی "آخر ماں ہوں نا' ماں کا دل پہاڑ جتنا ہوتا ہے۔ آخر تنگ آ کر تمہارے ڈیڈی نے کہہ دیا "رخشندہ تم بھی امریکا چلی جاؤ۔ بیٹے کے پاس رہو' اس کی ناز برداریاں اٹھاؤ..... میں دوسری شادی کر لوں گا اور تنگ آ کر میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے ڈیڈی کی بات مان لی کیونکہ میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتی' تم میری جان ہو اور جان نکل جائے تو انسان مرجاتا ہے۔ مرجاتا ہے ناں نوید.... جواب دو۔"

"ٹھیک ہے ممی۔ لیکن آپ نے ان کو چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"بیٹا۔ تم نے بھی تو ہمیں چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔ تم نے ہمیں چھوڑ کر امریکا میں اپنی دنیا بسالی ہے اسی طرح میں نے اپنے بیٹے کے لئے خاوند کو چھوڑ دیا ہے۔ اب میں اپنے بیٹے کے پاس رہوں گی پیارے بیٹے کے پاس۔ بیٹے کے گلشن کے پیارے پھولوں کے پاس۔"

"ٹھیک ہے ممی..... ٹھیک ہے۔"

رخشی کو اپنے سابقہ تجربے کی بنا پر ایک معروف کلینک میں جاب مل گئی۔ گائناکولوجسٹ رخشندہ چند ماہ میں ہی ذہانت و شہرت کے بام عروج پر پہنچ گئی۔ وہ خصوصاً ایشیائی باشندوں کی فیورٹ ڈاکٹر بن گئی۔ اس کے کلینک کو خوب شہرت ملی اور آمدنی میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا۔ رخشی کی تنخواہ میں بھی بے حد اضافہ ہوگیا جس کا کم از کم اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ نوید' اس کی بیوی اور بچوں کے لئے رحمت کا فرشتہ بن گئی۔ وہ ان سے پیار بھی کرتی اور ان کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھتی۔ ان کی زندگی خوش و خرم گزرنے لگی۔

○☆○

ندیم لاہور ائرپورٹ پہنچا تو نسرین اور نشاط اسے ریسیو کرنے آئے ہوئے تھے۔ نسرین نے گول مٹول سا نواسا بھی اٹھا رکھا تھا۔ جونہی نوید ان کے پاس پہنچا۔ نسرین نے لپکتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا اور گوہر کو اسے تھماتے ہوئے بولی "ندیم۔ یہ تمہارا گوہر ہے۔ کتنا خوب صورت ہے' ہے نا خوب صورت' ۳۵ روز کا ہوچکا ہے۔"

ندیم دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا لیکن اس نے اپنی ناگواری کو ظاہر نہیں ہونے دیا بلکہ ہنستے ہوئے اس نے نومولود منے کو اٹھایا اور اسے چومتے ہوئے بولا۔ "میرے گوہر۔ تم واقعی گوہر ہو' دنیا میں تم جیسا کوئی حسین نہیں ہے۔ تم جگ جگ جیو' ہزار برس۔"

پھر ندیم نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے نشاط کو دیکھا اور اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دباتے ہوئے بولا "نشاط.... تھینک یو ویری مچ۔ تم نے میرے خالی دامن میں ہیرا ڈال کر

مجھے آسمان پر پہنچادیا ہے۔ اب مجھے یہ دنیا بہت چھوٹی لگ رہی ہے۔ اب میں اترا اترا کر کہہ سکتا ہوں کہ میرا گوہر دنیا کا خوب صورت ترین بچہ ہے میری بیوی حسین بہت ہی حسین اور میں بہت ہی خوش نصیب ہوں۔"

"تھینک یو ندیم" نشاط نے دلکش تبسم کے ساتھ کہا۔

پھر وہ ہنستے مسکراتے گھر پہنچ گئے۔ پورے راستے ندیم نے گوہر کو گود میں اٹھائے رکھا اور وقفے وقفے سے اسے چومتا رہا۔

دن ڈھلا' شام آئی' شفق چہار سو کھلی پھر شفق کو ظلمت نے اپنی دبیز چادر میں لپیٹ لیا تو نشاط ڈھیلا کرتا اور لہنگا پہنے کمرے میں آئی اور کمرہ جس میں رکھے ہوئے خوب صورت بیڈ پر ندیم لیٹا ہوا تھا اور زیرو بلب کی دھیمی روشنی پھیلی تھی' نشاط کے اندر داخل ہونے سے یک دم فیروزاں ہوگیا۔ ندیم کا دل بھی نشاط کو دیکھ کر مہک و دمک اٹھا۔

وہ تخیلات کی وادی سے نکلا اور مسکراتے و پیچ کھیلتے گویا ہوا "آؤ جان من' میں بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔ دل بری طرح مچل رہا ہے' خون کی گردش تیز ہوگئی ہے ... روئیں روئیں میں شوخی آگئی ہے۔ تنفس میں بھی تیزی ہوگئی ہے۔ آنکھوں میں تمہاری چاہت کا دیا جل اٹھا ہے۔ آؤ میرے پاس لیٹ جاؤ اور منے کو بے بی بیڈ میں لٹادو اور میرے مچلتے ہوئے جذبات وا حساسات کو اپنی انمول چاندنی سے ٹھنڈا کردو۔"

"کاش۔ میں ایسی پوزیشن میں ہوتی" نشاط نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں.... کیا ہوگیا ہے.... میں کب سے پیاسا ہوں اور تم پیاس بجھانے کی پوزیشن میں نہیں ہو" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا پھر وہ بیڈ سے اٹھا دروازے کو لاک کیا اور چابی جیب میں ڈال کر بولا "میری جان.... ہم اور تم اکیلے.... چابی کھو گئی.... آپ پوزیشن میں ہیں یا نہیں .... جان بہار اب تمہاری دال نہیں گلے گی۔ تم میرے مچلتے جذبات کو ٹھنڈا کرنے سے نہیں بچ سکتیں۔"

"لیکن ابھی تو میرا جسم ناپاک ہے زچگی کی مدت ختم نہیں ہوئی۔"

"کیا ہوا جو تمہارا جسم پاک نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن اس حالت میں اللہ رسول نے منع کیا ہے۔"

"تو کیا ہوا؟"

"توبہ توبہ۔ سرتاج خدا کا خوف کریں۔ میری زچگی کی مدت ختم ہونے میں تین چار دن ہی تو رہ گئے ہیں پھر میں نہالوں گی' اور میں پاک ہو جاؤں گی۔ پھر میں اور آپ... آپ اور میرے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں ہوگی۔ ہم خوب انجوائے کریں گے اور ایک دوسرے کے ابلنے والے جذبات کو ٹھنڈا کریں گے۔"

"وہ دن بھی دیکھ لیں گے... لیکن آج کا دن بہاروں کا دن ہے۔ فضاؤں میں مہک ہی مہک بکھری ہے' کمرے میں روشنی ہی روشنی پھیلی ہے۔ میں آج ہی ان بہاروں کی مہک و دمک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹوں گا' ضرور لوٹوں گا... دنیا کی کوئی طاقت آج مجھے نہیں روک سکتی۔"

ندیم نے نشاط کو اپنی آہنی بانہوں میں لے لیا... وہ عقاب بن گیا۔ نشاط چڑیا کی طرح چہکتی رہی' پھدکتی رہی' لیکن عقاب نے اپنے شکار کو نہ چھوڑا۔

نشاط افسردہ اور مغموم ہو گئی تو ندیم تمسخرانہ انداز میں بولا "نشاط۔ یقین جانو نہ جانو۔ سہاگ رات' شاید میری انجوائے منٹ کے بغیر گزر گئی۔ لیکن صحیح انجوائے تو میں نے آج کیا ہے۔ کتنی شیریں آج کی رات ہے۔ نہ جانے سہاگ رات اتنی رسیلی اور میٹھی کیوں نہ تھی۔"

"لیکن تم آج مغموم کیوں ہو... شاید تمہارے جذبات ٹھنڈے نہیں ہوئے... کوئی بات نہیں' لوہا ابھی گرم ہے۔ میں ابھی چاشنی کے ہتھوڑے سے ضرب لگاتا ہوں۔ واقعی لوہا گرم تھا اور وہ رات بھر ہتھوڑے لگاتا رہا۔ رات بھیگی تو لوہا سانچے میں ڈھلا تو ندیم نے بھٹی کو ٹھنڈا کیا اور ہنستے ہوئے نشاط سے پوچھا جو پرسکون ہو کر برف کی سل بنی مسہری پر لیٹی تھی۔

"نشاط جانی... سناؤ کیا حال ہے' تم بھی خوبرو' سیپ بھی خوبرو' اور صدف سے نکلنے والا گوہر بھی... ہمارا گوہر" نشاط نے رات کی بازی تو ہار دی تھی۔ لیکن وہ مکمل طور پر شکست

سے دوچار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے بہتر یہی سمجھا کہ اس رات کے راز کو راز ہی رکھے۔ نبیل پر بھی اور نسرین پر بھی... نہیں تو اس کی زندگی پر ایسی برق گرتی کہ وہ بھسم ہو جاتی۔

لہٰذا اس نے ہنستے ہوئے اپنا پیچ کھیلا۔ "ندیم۔ میں نے نکاح نامے کی شرط پوری کر دی ہے' میں نے آپ کو بیٹا دے دیا ہے... اب آپ اپنی شرط پوری کریں' یہ کوٹھی منے کے نام لکھ دیں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ میں کل ہی عدالت جاؤں گا اور کوٹھی تو کیا اپنا پورا بینک بیلنس بھی منے کے نام کر دوں گا۔"

"سچ ندیم!"

"نشاط... میری خوشی' میری دلگی' میں جھوٹ تھوڑا بول رہا ہوں۔"

"تھینک یو۔"

لیکن وہ رات نشاط کے لئے بہت مہنگی رہی... پوری رات وقفے وقفے سے ندیم اس کے ساتھ کھیلتا رہا... ندیم نہ خود سویا اور نہ اسے سونے دیا۔

صبح کے آٹھ بجے نشاط تو سو گئی... ندیم نے غسل وغیرہ کیا اور ناشتے کے لیے کمرے سے باہر آ گیا۔

جونہی اس نے کمرے سے باہر قدم رکھا' نسرین بھاگم بھاگ کمرے کی طرف لپکی اور ندیم سے مچلتے ہوئے بولی "بیٹا کیسے ہو... نشاط کیسی ہے' رات کیسے گزری۔"

"نشاط کی امی' رات بڑی اچھی گزری۔ سچ پوچھیں تو آج کی رات میرے لئے سہاگ رات تھی۔ نشاط نے بھی خوب انجوائے کیا ہے' اسے اتنا سکون ملا ہے کہ وہ ابھی تک سوئی ہوئی ہے' اسے سویا رہنے دیں' میں ناشتا کر کے عدالت جاؤں گا۔ یہ کوٹھی اور بینک بیلنس منے کے نام کرا کر واپس آؤں گا۔ اس وقت تک نشاط کو سونے دیں۔ جب وہ کاغذات دیکھے گی تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سمائے گی۔" ندیم نے نسرین کو چوٹ لگائی۔

ندیم کی باتیں سن کر نسرین خون کے گھونٹ پی کے رہ گئی۔ اس کی اسکیم دھری کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھری رہ گئی۔ اس کی نشاط لٹ گئی لیکن چونکہ اسے کوٹھی چاہئے تھی اس لئے اس نے صبر کا گھونٹ پی لیا۔ اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی "میں بھی آپ کے ساتھ کورٹ چلوں۔"

"آپ کو کورٹ جانے کی کیا ضرورت ہے۔ نشاط کی امی! آپ کیا بات کرتی ہیں' کیا میں آپ کو کورٹ لے جاؤں گا۔ آپ کو کورٹ جانے کی ضرورت نہیں' یہ کام میں خود کرالوں گا۔"

"اچھا ناشتا تو کرلیں۔"

"میں ناشتہ' وہ بھی نشاط کے بغیر نہیں کروں گا۔"

○☆○

ندیم کے جانے کے بعد نشاط کافی دیر تک نہ اٹھی تو نسرین اس کے کمرے میں آئی اور تیز آواز میں بولی "نشاط کم بخت۔ تم کب تک سوئی رہوگی۔ دیکھو تو سہی وال کلاک دس بجا رہی ہے۔"

نشاط نے کروٹ بدلی اور چادر اوپر تانتے ہوئے بولی "ماں مجھے سونے دو۔ زندگی میں آج پہلی بار تو میٹھی نیند آئی ہے اور تم ہو کہ سونے نہیں دیتیں۔"

"اری کلموہی' یہ کیا میٹھی نیند کی رٹ لگا رکھی ہے۔ میرا دل آگے ہی ندیم نے کھٹا کردیا ہے۔ وہ بھی کہہ رہا تھا کہ اس کی رات... آج کی رات میٹھی اور رسیلی رات تھی اور تو بھی یہی کہہ رہی ہے۔"

نشاط اٹھ کر بیٹھ گئی اور آنکھیں ملتے ہوئے بولی "ماں... آج کی رات واقعی میٹھی رات تھی۔"

"حرام زادی۔ یہ تو کیا کہہ رہی ہے" نسرین نے غصے میں آکر نشاط کو گالی دے دی۔

"ماں۔ جب میں اس کے کمرے میں گئی تو اس نے مخمور نظروں سے مجھے دیکھا' پہلے تو میں اس کے جنسی پھندے سے بچی رہی۔ جسم ناپاک ہونے کا بتایا لیکن اس نے میری نہ سنی۔ آخر میں اس کے سحر کے جال میں گرفتار ہوگئی۔ ماں تیری قسم' وہ بہت اچھا مالی ہے۔

اس نے میری زمین کی آبیاری کی تو میری نس نس میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ میرے من سے خوشیوں کی کلیاں پھوٹ پڑیں' میں خود ہی خود مستانی بن گئی۔ اس کے بعد جب بھی ندیم نے اشارہ کیا' میں کشاں کشاں' خراماں خراماں اس کے پاس گئی اور اپنی خواہش پوری کرلی اور اس کی آرزو کو پورا کردیا۔ وہ رات بھر مجھ سے پیار کرتا رہا۔ اور میں رات بھر اس کی لیلیٰ بنی رہی۔ ماں تیری سوگند... وہ گھبرو جوان ہے۔ کاش میں نبیل کے بجائے سہاگ رات ندیم کے ساتھ مناتی... کاش... کاش۔"

"چڑیل۔ بہکی بہکی باتیں مت کر۔ تو خود ہی تو نبیل سے پیار کرتی تھی۔ تیری آرزو کی خاطر تو میں نے تجھے نبیل کی دلہن بنایا تھا۔ تیری خوشی کی خاطر۔"

"ماں۔ میں آج تک بے خبر تھی کہ حقیقی خوشی کیا ہوتی ہے اور مردانہ وجاہت کیا ہوتی ہے۔ کاش مجھے پہلے علم ہوتا تو میں نبیل کو کبھی اپنے دل میں نہ بساتی۔"

"اچھا۔ بک بک مت کر' اٹھ اور ناشتا کرلے اور یہ بکواس نبیل کے سامنے نہ کردینا۔"

"اوکے ماں۔"

○☆○

ندیم ٹیکسی ہائر کرکے کورٹ گیا۔ کوٹھی کا وصیت نامہ گوہر کے بجائے سمیر کے نام لکھوایا اور کاغذات لے کر شہزاد کے گھر پہنچا۔

شہزاد اس وقت گھر پر ہی تھا۔ وہ ابھی تک ڈیوٹی پر نہیں گیا تھا۔ جب ندیم نے کال بیل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ شہزاد نے ہی کھولا۔ وہ ندیم کو دیکھ کر فرط مسرت سے بولا "آیئے انکل' اندر آیئے۔"

اندر سے گل نے آواز دی "سمیر کے ابو۔ کون ہے' کس سے باتیں کررہے ہو؟"

"انکل آئے ہیں۔"

معاً گل بھی پہنچ گئی۔ وہ بھی انکل کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور وہ تینوں باتیں کرنے لگے۔ ندیم ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ جواب نہیں دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا۔ شاید بجھا بجھا تھا۔

گل نے ندیم کو اداس دیکھا تو وہ بولی "انکل۔ میں ابھی آتی ہوں' آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

گل چائے بنانے چلی گئی تو ندیم نے بجھے سے لہجے میں کہا "شہزاد۔ یہ کاغذات سنبھال لیں۔ ان اسٹامپ پیپرز میں' میں نے وصیت لکھ دی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی کا مالک سمیر ہو گا۔"

"لیکن آپ نے کوٹھی سمیر کے نام کیوں لکھوائی ہے" شہزاد نے استعجاب سے پوچھا۔

اس وقت ندیم اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ شاید وہ بے شعور ہو چکا تھا۔ وہ ایک بہت بڑا گناہ کر کے نشاط کے کمرے سے نکلا تھا۔ شاید وہ گناہ اسے پاگل بنا رہا تھا۔ وہ دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اسی عصیاں کے زیر اثر کہہ دیا "سمیر... میرا پوتا جو ہے۔"

"انکل' یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"شہزاد۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تم میرے بیٹے ہو' تو سمیر میرا پوتا ہے... میں نے جو پاپ کیا ہے' وہ عصیاں مجھے پھانسی کی کوٹھی تک لے جائے گا۔ میں پھانسی چڑھ جاؤں اور میری جائداد کا کوئی وارث اور نہ بن جائے۔ اس لئے آج میں اٹھتے ہی سیدھا کورٹ گیا اور اپنی تمام جائداد کا وارث سمیر کو بنا دیا۔ دیکھو یہ کاغذات سمیر کے وارث ہونے کے گواہ ہیں... دیکھو تو سہی۔"

"بڈھے' خبطی تم پاگل ہو گئے ہو' ضرور پاگل ہو گئے ہو" شہزاد نے جھنجھلا کر وصیت نامہ پھاڑ دیا۔

"میں سودائی نہیں ہوں' مجھے سودائی نہیں کہو لیکن تم نے وصیت نامہ کیوں ریزہ ریزہ کر دیا... کیوں؟"

"دفع ہو جاؤ میرے گھر سے... نہیں تو میں جان سے مار دوں گا" شہزاد گرج کر بولا۔

شہزاد کی گرج سن کر گل جو اس وقت چائے بنا چکی تھی۔ چائے اور بسکٹ وغیرہ ٹرے میں رکھ چکی تھی ٹرے اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ اور

استعجابیہ انداز میں بولی "شہزاد۔ آپ اونچی آواز میں کس سے جھگڑ رہے ہیں؟"

"بیٹی۔ یہ مجھ سے جھگڑ رہا تھا... نہ جانے کیوں' اچھا بیٹی جلدی سے کچھ کھانے کے لئے دو' مجھے سخت بھوک لگی ہے۔"

"اس خبطی کو چائے مت دو' گل۔"

"کیوں نہ دوں۔ یہ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

معاً ندیم نے خود چائے پیالی میں انڈیل لی اور چائے پینے لگا۔ ساتھ ہی بسکٹ بھی کھانے لگا۔

در آں اثنا شہزاد نے لرزتے ہونٹوں سے جواب دیا۔ "یہ دیوانہ کہتا ہے... کہ وہ میرا باپ ہے۔"

"انکل۔ باپ کی جگہ ہی ہوتا ہے" گل نے سمجھاتے ہوئے شہزاد کو کہا۔

"لیکن یہ پاگل مجھے اپنا بیٹا کہتا ہے۔"

"انکل۔ تمہیں اپنا بیٹا نہ کہے تو کیا کہے... بتاؤ" گل نے شہزاد کو سمجھاتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹی۔ تم کتنی دانا ہو۔ اللہ تمہیں خوشیوں میں مستغرق رکھے" ندیم نے بسکٹ کھاتے ہوئے لقمہ دیا۔"

"دیکھ بڈھے۔ میں ابھی تجھے سبق سکھاتا ہوں" شہزاد آپے میں نہ رہا اور گرجتے ہوئے بولا پھر وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔ اس نے ریوالور لوڈ کیا اور ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ اس نے آتے ہی ندیم پر فائر کر دیا۔ گل پلک جھپکتے میں اٹھی اور اس نے شہزاد کو قابو کر لیا۔

ندیم گولی کھا کر فرش پر گر پڑا' وہ خون میں لت پت ہو گیا۔ گل نے خون ہی خون فرش پر دیکھا تو اس نے شہزاد کو چھوڑ دیا اور ندیم کی فرسٹ ایڈ کرنے لگی۔ اس نے ایک بڑی سی چادر ندیم کے پیٹ پر رکھی اور ندیم کو نصیحت کی کہ وہ اسے دبا کر رکھے تاکہ خون باہر نہ نکل سکے پھر اس نے گاڑی کی چابی لی اور ندیم کو بٹھا کر اسپتال لے گئی جو کہ ان کے گھر سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف دو فرلانگ بھر کے فاصلے پر تھا۔

چونکہ وہ قتل کا کیس تھا۔ اس لئے ڈاکٹر نے پولیس کو فون کردیا اور ندیم کو بچانے کی فکر میں لگ گئے۔ وہ اسے آپریشن تھیٹر لے جانے لگے تو ندیم بول پڑا۔

"ڈاکٹر۔ ہوسکتا ہے میں آپریشن کے دوران مرجاؤں' لیکن مرنے سے پہلے میں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے گولی کس نے ماری ہے.... میں ٹیکسی سے اتر کر بیٹی گل کے گھر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ دو غنڈوں نے مجھے گھیر لیا اور مجھے سب کچھ نکالنے کے لئے کہا۔ میں نے مزاحمت کی تو ایک غنڈے نے مجھ پر فائر کردیا۔ لیکن میں بھی پاپی ہوں' میں نے ایک معصوم بچے..."

ندیم سرگوشی کرتا رہا اور ڈاکٹر فصیح اسے آپریشن تھیٹر لے گیا۔

سمیر اور رباب کے اسکول سے آنے کا وقت ہوگیا تھا تو گل گھر آگئی۔ وہ آتے ہی شہزاد پر برس پڑی جو سوچوں میں گم تھا اور اپنی گرفتاری کا انتظار کررہا تھا "شہزاد۔ تم نے بہت برا کیا' انکل کو پاگل پن میں شوٹ کردیا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی ذہنی صدمے نے ان کے ذہن کو مفلوج کردیا ہو اور وہ بے تکی باتیں کرنے لگ گئے ہوں اور تمہارے باپ بن بیٹھے ہوں۔ لیکن فقط منہ سے کہنے سے وہ تمہارے باپ نہیں بن سکتے... ہرگز نہیں... شہزاد تم نے بہت ظلم کیا ہے' تم نے بہت برا کیا ہے' بہت برا۔" اور گل پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

شہزاد نے گل کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہا "گل۔ مت روؤ... ابھی بہادر بنو' بہادر۔ ابھی تم نے بچوں کو پڑھانا لکھانا ہے' انہیں اپنی اپنی منزل پر پہنچانا ہے۔ مجھے تو آج نہیں تو کل پولیس گرفتار کرکے لے جائے گی پھر بچوں کی نگہداشت تم نے کرنی ہوگی' تم ہی ان کی ماں ہوگی اور باپ بھی۔ اب تمہارے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ میں نے تمہارے علم کو ایک کوزے میں بند رکھا تھا۔ اب تم اعلیٰ تعلیم کو استعمال میں لاسکتی ہو۔ اب تمہیں میری طرف سے اجازت ہے کہ سروس کرو اور بچوں کا پیٹ پالو۔"

"شہزاد۔ یہ تم بہکی بہکی باتیں کیوں کررہے ہو' تمہیں کچھ نہیں ہوگا' تمہیں کوئی گرفتار نہیں کرے گا۔"

"میں نے قتل کیا ہے۔ مجھے کوئی کیوں گرفتار نہیں کرے گا؟"

"انکل ندیم مرتھوڑا گئے ہیں۔ وہ تو زندہ ہیں' آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹران کی گولی نکال دیں گے اور پھر وہ بچ جائیں گے۔"

"بچ جائے گا تو پھر بھی میں جیل کی ہوا تو کھاؤں گا..... یہ کیس تو قتل کا کیس ہے ناں۔"

"قتل کا کیس...."

گل اپنا جملہ مکمل بھی نہ کرپائی تھی کہ سمیر اور رباب گلوں میں بستے لٹکائے آوازیں کستے آگئے۔ "پپا' ممی۔ ہم آگئے' ہم آگئے۔"

شہزاد اور گل دونوں نے باری باری اپنے شہزادے اور شہزادی کو چوما۔ پھر گل نے خادمہ کو کھانے کی میز پر لگانے کے لئے بولا "فاطمہ!"

"جی مالکن؟"

بچے اسکول سے آگئے ہیں۔ جب تک وہ کپڑے بدلتے ہیں تم میز پر کھانا لگادو۔"

○☆○

"اوئے دلبر" نسرین نے آواز دی۔ "آج تیری بیوی کہاں مرگئی ہے گھر کی کوئی صفائی وغیرہ نہیں کی۔"

"بیگم صاحبہ۔ اس کو کل شام سخت بخار تھا پھر بھی وہ کام کرتی رہی۔ میں نے اسے منع بھی کیا تھا کہ وہ کام چھوڑ دے اس کا کام میں کردوں گا لیکن وہ نہ مانی کہنے لگی۔"

"نہیں دلبر۔ آج ندیم صاحب آئے ہیں' آج اگر میں نے کام نہ کیا تو بیگم صاحب ضرور کہیں گی..... کہ نصیبن کام چور ہے۔"

"تو اسے کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ" نسرین نے نصیبن کی بیماری کا سن کر دلبر کو مشورہ دیا۔

"مالکن۔ وہ خود ہی ٹھیک ہوجائے گی۔ ہماری پاس اتنا پیسا کہاں ہے کہ ہم اپنا علاج معالجہ کراسکیں۔"

"دلبر۔ منے کو کافی دیر ہوگئی ہے دودھ پیئے۔ جاکر اسے کمرے سے اٹھالاؤ" نشاط نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے چھوٹی بی بی۔"

تھوڑی دیر ہی گزر پائی ہوگی کہ دلبر لرزتے جسم کے ساتھ واپس آیا اور لرزتی زبان سے بولا "بی بی جی۔ منا تو برف کی طرح سرد ہو چکا ہے۔ میں نے اسے اٹھایا تو وہ بانس کی طرح اکڑا ہوا تھا' میں نے اسے خوف کے مارے وہیں لٹا دیا ہے۔"

"ہائے میں مرجاواں... کیا ہوا میرے منے کو" نشاط نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا اور دوڑتی ہوئی کمرے میں گھس گئی۔ نسرین اس کی ماں بھی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنی بیٹی نشاط کے پیچھے بھاگی۔

"میرے منے۔ میرے گوہر اٹھ... آنکھیں کھول" نشاط اپنے لخت جگر کے پھول سے رخساروں پر چومتے ہوئے بولی لیکن اس کے گالوں کو برف کی مانند ٹھنڈا دیکھ کر وہ تڑپ اٹھی اور دونوں ہاتھوں سے سینہ کوبی کرنے لگی۔

نسرین نے نشاط کو سینہ کوبی کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے دھڑکتے دل سے منے کے چہرے و ماتھے کو چھوا۔ پھر اس نے بھی ماتم کرنا شروع کر دیا۔ دلبر دونوں ماں بیٹی کی سینہ کوبی دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ نبیل کو بلانے آفس کی طرف بھاگا لیکن نبیل اس وقت آفس نہیں پہنچا تھا۔ پھر وہ سیدھا مین گیٹ کی طرف آیا کیونکہ یہ وقت نبیل کے آنے کا تھا۔ چند ثانئے میں اسے نبیل کی کار آتے ہوئے نظر آئی۔ نبیل نے گیٹ کے ساتھ حسب معمول کار پارک کی اور کار سے باہر نکلا تو دلبر جو اسی کا انتظار کر رہا تھا افسردہ لہجے میں بولا "صاحب جی۔ منے کو کچھ ہو گیا ہے۔ بڑی اور چھوٹی بی بی دونوں گریہ وزاری کر رہی ہیں۔"

نبیل دوڑتے ہوئے کمرے میں پہنچا تو خوشدامن نسرین اور نشاط دونوں کو دیکھ کر بولا "کیا ہوا منے کو؟"

"میں لٹ گئی... منا مر گیا" نشاط نے بین کرتے ہوئے کہا۔

"تم اسے اسپتال کیوں نہیں لے گئیں" نبیل نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اسپتال تو تب لے جاتے اگر منا بیمار ہوتا... منا تو رات کو صحیح حالت میں سویا تھا... صرف ایک دفعہ رات کو اٹھا اور پھر دودھ پی کر سو گیا۔ تھوڑی دیر پہلے دلبر کو کمرے میں بھیجا

کہ منے کو اٹھا کر لائے تو اس نے دیکھا کہ منا تو مر چکا ہے۔"

منے کے مرنے کا بتانے کے بعد نشاط نے پیٹنا شروع کر دیا۔ نسرین بھی دونوں ہاتھوں سے اپنے آپ کو پیٹے جا رہی تھی۔ اسے تو دہرا غم کھائے جا رہا تھا۔ ایک تو منے کے مرنے کا اور دوسرا ندیم کی جائداد ہاتھ سے نکل جانے کا' کیونکہ منے کے مرنے کے بعد ندیم جائداد کا پھر مالک بن جاتا تھا۔

نبیل نے منے کو مرا ہوا دیکھا تو اس کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ وہ افسردہ لہجے میں بولا "مجھے ایسا لگتا ہے کہ منے کو کسی نے مارا ہے... یہ قتل کا کیس ہے۔ میں ابھی تھانے رپورٹ کرتا ہوں۔"

"ہاں' ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو' منے کو ضرور کسی نے مارا ہے" نشاط نے روتے ہوئے کہا۔

نبیل نے فون پر پولیس کو رپورٹ کی اور پولیس فوراً جائے وقوعہ پر پہنچ گئی تفتیش کے لئے ایس آئی طارق اپنے ساتھ ہیڈ کانسٹیبل اور دو سپاہیوں کو ساتھ لایا۔ طارق نے ضروری کارروائی کی اور ننھے سے لوتھڑے کو پوسٹ مارٹم کے لئے اسپتال لے جانے کا خیال ظاہر کیا۔

نشاط نے آسمان سر پر اٹھا لیا "میرے بیٹے کو پوسٹ مارٹم کے لئے مت لے جاؤ۔ میں اس کا پوسٹ مارٹم نہیں کرانا چاہتی۔"

لیکن ایس آئی نے اس کی بات نہ مانی بلکہ اسے الٹا ڈانٹ دیا "اگر ہم منے کا پوسٹ مارٹم نہیں کریں گے تو ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ منا طبعی موت مرا ہے' یا کسی نے اسے قتل کیا ہے؟"

منے کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے معلوم ہوا کہ منے کو کسی نے سانس بند کر کے مارا تھا۔ پولیس نے تفتیش کے لئے گھر کے سب افراد کو تھانے طلب کیا اور باری باری سب سے پوچھا۔

"سب سے پہلے ایس آئی طارق نے نسرین سے پوچھا "آپ گزشتہ رات کہاں سوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں؟"

"میں اپنے کمرے میں سوئی تھی جو منے کے کمرے کے ساتھ ملحق ہے۔ ابو نبی سے میرا داماد ندیم چھٹی آیا تھا۔ ہم سب رات دیر گئے تک باتیں کرتے رہے پھر تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں اپنے کمرے میں آگئی اور میرا داماد' اور بیٹی مع منے کے ساتھ سونے کی تیاری میں لگ گئے۔ صبح سب سے پہلے میرا داماد ندیم جاگا۔ وہ نہایا دھویا اور چائے پی کر کورٹ چلا گیا۔"

"وہ کورٹ کیوں گئے ہیں۔"

"وہ اپنی جائداد منے کے نام ٹرانسفر کرنے گئے ہیں۔"

"کیا ان کا کوئی دوسرا بیٹا نہیں ہے.... کوئی اور اولاد نہیں کہ وہ ایک نومولود منے کے نام جائداد ٹرانسفر کر رہے ہیں۔"

"ایک بیٹا ہے۔ وہ امریکا میں سیٹل ہے۔ نافرمان ہے اس لئے ندیم نے اسے جائداد سے عاق کر دیا ہے۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ ندیم نے اسے جائداد سے عاق کر دیا ہے؟"

"آج ہی انہوں نے بڑے بیٹے کو جائداد سے عاق کرنا تھا۔ اور اپنی تمام جائداد کو منے کے نام منتقل کرنا تھا۔ اسی لئے وہ کورٹ گئے ہیں' ابھی تک یہ کام ہو چکا ہو گا۔"

"یہ تو گہری سازش لگتی ہے' ان کو پتا چل گیا ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ ندیم کے بیٹے اور اس کے رشتے داروں کو اور انہوں نے ہی منے کو راستے سے ہٹایا ہو گا۔"

"یہ تو میں نہیں جانتی" نسرین نے کہا۔

"پھر منے کو کون مار سکتا ہے؟" ایس آئی نے سوال کیا۔

"اس کی تفتیش تو آپ کریں گے" نسرین نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

پھر ایس آئی نے نشاط کو اندر بلایا۔ اس کی حالت قابل رحم تھی۔ اس کا تقریباً ایک ماہ کا بچہ مر گیا تھا۔ وہ روئے جا رہی تھی۔ اس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔

"سونے سے پہلے آپ نے کمرے کو لاک اپ کیا تھا۔"

"جی ہاں۔ میں نے خود ہی تو اندر سے کنڈی لگائی تھی۔"

"اس کے بعد کوئی کمرے میں آیا تھا؟"

"نہیں جی۔"

"منا کہاں سویا تھا؟"

"بے بی بیڈ میں۔"

"بے بی بیڈ کہاں رکھا تھا؟"

"میری مسہری کے ساتھ۔"

"ندیم کہاں سویا تھا؟"

"جی.... جی۔"

"نشاط۔ شرماؤ نہیں۔ اگر تم نے ایک سوال کا جواب بھی غلط دیا تو تفتیش کا رخ غلط جانب بھی مڑ سکتا ہے۔"

"جناب۔ وہ اور میں۔ اکٹھے ایک ہی بیڈ پر سوئے تھے۔"

"سونے سے پہلے کیا تمہاری ماں کمرے میں تھی؟"

"جی ہاں.... ہم اکٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔"

"کون کون؟"

"میری ماں' ندیم میرا خاوند اور میں۔"

"آپ کی اماں نے کب کمرا چھوڑا تھا؟"

"تقریباً ساڑھے گیارہ بجے۔ ماں کے جانے کے بعد دروازے کی کنڈی میں نے ہی لگائی تھی۔"

"پھر آپ دونوں فوراً سو گئے؟"

"نہیں جی۔"

"تو کیا کرتے رہے؟"

"وہی جو خاوند اور بیوی کا کام ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب ایس آئی نشاط سے جرح کر رہا تھا۔ تو نبیل دروازے کو کان لگائے غور سے سن رہا تھا۔ جب اس کے کانوں میں یہ آواز آئی تو وہ جل بھن اٹھا۔ "وہ وہی کام کر رہے تھے جو ایک میاں بیوی کو کرنا چاہئے۔"

"پھر آپ کب سوئے؟"

"تقریباً صبح کے تین بجے۔"

"اتنی دیر تک آپ دونوں جاگتے رہے؟"

نبیل نے سنا تو اسے ایسے محسوس ہوا کہ کسی نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔

"ندیم صبح کورٹ گئے تو تم جاگ رہی تھیں؟"

"نہیں جی۔ میں سوئی ہوئی تھی۔"

نشاط نے پھر گریہ وزاری شروع کر دی۔ ایس آئی طارق کا دل ملائم پڑ گیا تو اس نے نشاط پر جرح کرنی چھوڑ دی' وہ سوچنے لگا "بے چاری کا پھول سا بیٹا۔ وہ بھی ایک ماہ کا مر گیا ہے۔ اوپر سے میں نے سلگتی آگ پر تیل ڈالنے کا کام شروع کر دیا ہے' آہ بدبخت نشاط۔"

پھر طارق نے نبیل کو بلایا اور اس سے پوچھا "نبیل۔ تم وقوعہ کی رات کہاں تھے؟"

"جی۔ میں اپنے گھر تھا۔ میں شام ۶ بجے گھر چلا گیا تھا۔"

"تم کتنے بجے آفس آتے اور کب جاتے ہو؟"

"میں صبح ۱۰ بجے آفس آتا ہوں اور شام ۶ بجے چھٹی کر جاتا ہوں۔"

"تمہارا اور میڈم نسرین کا کیا رشتہ ہے؟"

"جو ایمپلائی اور ایمپلائر میں ہوتا ہے۔"

"کیا ندیم تمہارا رشتے دار ہے؟"

"نہیں صاحب۔"

"تم کب سے میڈم نسرین کے آفس میں کام کر رہے ہو؟"

"تقریباً دو سال سے۔"

"نسرین اور نشاط کا تمہارے ساتھ سلوک کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔"

"ندیم اور نشاط کی شادی کب ہوئی؟"

"کوئی دس ماہ پہلے۔"

"تم خوب صورت ہو' جوان ہو' تم نے نشاط کو کیوں پرپوز نہیں کیا؟"

"جی کیا تھا لیکن نسرین صاحبہ نہ مانیں۔ ویسے بھی یہاں ہر کوئی دولت کا پجاری ہے' جس کے پاس دولت ہے' دنیا کی چابی بھی اس کے ہاتھوں میں ہی ہوتی ہے۔ نشاط اور نسرین دونوں نے دولت کو ترجیح دی اور مجھے جواب دے دیا۔"

"پھر تو تمہاری ندیم کے ساتھ چشمک ہے' تم نے رقابت کے بنا پر منے کو مار دیا ہو گا۔"

"نہیں جی۔ بھلا منے کو مارنے سے مجھے نشاط مل جائے گی... ہرگز نہیں" نبیل نے دل گرفتہ ہو کر جواب دیا۔

"اچھا نبیل تم ابھی باہر جاؤ اور نسرین اور نشاط دونوں کو اندر بھیج دو۔" وہ اندر آ گئیں تو طارق نے نسرین سے کہا "بیگم صاحبہ۔ منا رات کو قتل ہوا اور رات کو ندیم' نشاط' آپ اور آپ کا نوکر دلبر گھر میں تھے۔ قاتل باہر سے نہیں آیا۔ قاتل گھر کا فرد ہی ہے۔ آپ کے خیال میں قتل کس نے کیا' میرے خیال میں نبیل بھی قتل کر سکتا ہے۔"

"اگر گھر کے کسی نے قتل کیا ہے تو پھر ہمارا نوکر ہی ہو سکتا ہے" نسرین نے سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ کے پاس کوئی ثبوت؟"

"ثبوت تو کوئی نہیں لیکن ایک دفعہ وہ صفائی کرنے کمرے میں گیا تھا اور دوسری دفعہ وہ منے کو اٹھانے گیا تھا' ہو سکتا ہے کہ اس نے مار دیا ہو۔"

"لیکن منے کو مارنے سے اسے کیا فائدہ ہو گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی یہ تو میں شک کے بنا پر کہہ رہی ہوں۔"

"آپ کا نوکر دلبر دوسری دفعہ منے کو اٹھانے گیا تھا' کیا وہ منے کو اٹھا لایا تھا؟"

"نہیں جی' وہ لرزتے جسم واپس آگیا تھا۔ اس نے لرزتی زبان سے بتایا تھا کہ منا مر گیا ہے۔"

"وہ کتنی دیر کے بعد آیا تھا؟"

"لگ بھگ پانچ منٹ کے بعد۔"

ایس آئی طارق تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر اسے یکدم خیال آیا اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا "نسرین۔ میں اپنے ایک کانسٹیبل کو آپ کے گھر کے مین گیٹ کے سامنے کھڑا کر آیا تھا۔ اسے آنے سے پہلے میں نے ہدات کی تھی کہ جونہی ندیم صاحب کورٹ سے واپس آئیں۔ انہیں لے کر تھانے آجانا۔ دونوں ابھی تک نہیں آئے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ندیم ابھی تک گھر واپس نہیں لوٹا۔ کیا آپ کوئی ایسا ٹھکانا بتا سکتی ہیں جہاں ندیم کے رکنے کا امکان ہو؟"

"ہاں جی۔ وہ اسد یا شہزاد کے ہاں ہوگا۔"

"اسد اور شہزاد کے گھر کا فون نمبر آپ کو معلوم ہے؟"

"جی یہ ہیں' ان کے فون نمبر" نسرین نے برجستہ کہا۔

طارق نے پہلے شہزاد کو فون کیا۔ گھنٹی بجی تو شہزاد ہکلا کر بولا "یہ پولیس کا فون ہوگا' ضرور وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہوں گے۔"

"سرتاج' پاگل مت بنو اور روٹی کھاؤ۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ تمہیں کوئی نہیں گرفتار کرے گا۔"

"مما۔ ابا نے کون سا جرم کیا ہے' پولیس ابو کو کیوں گرفتار کرے گی" سمیرا اور رباب دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"بیٹا۔ آج ندیم انکل کو کسی نے شوٹ کر دیا ہے۔ وہ اسپتال میں داخل ہیں' تمہارے ابا کو فکر کھائے جا رہی ہے کہ کہیں پولیس ان کو گرفتار نہ کر لے۔"

"ممی۔ ہمیں بابا کو ملانے لے جائیں' پلیز ممی' پلیز پپا" دونوں نے فریادی لہجے میں کہا۔ وہ باتیں کرتے رہے اور فون کی گھنٹی بجتے بجتے خاموش ہو گئی۔

شہزاد کے گھر والوں نے فون نہ اٹھایا تو طارق نے اسد کو فون کیا لیکن شومئے قسمت اسد کے گھر والوں نے بھی فون نہ اٹھایا۔ تو طارق نے زور سے فون کریڈل پر رکھ دیا۔

پھر طارق نے دلبر کو اندر بلایا اور نسرین ونشاط دونوں ماں بیٹی کو باہر انتظار کرنے کے لئے کہا۔

"السلام علیکم" دلبر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"وعلیکم السلام" طارق نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آؤ آؤ بیٹھو۔ دلبر کتنی رقم میں مک مکاؤ کر کے منے کو قتل کیا ہے؟"

"میں۔ میں۔ میں نے قتل!" دلبر نے گھبرا کے کہا۔

"دلبر۔ تم تھانے میں ہو' سچ سچ بتا دو۔ نہیں تو مار مار کے تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا۔"

"صاحب جی۔ خدا کی قسم میں نے منے کو نہیں مارا۔"

"تم کل رات کہاں تھے؟"

"جی۔ ہم میاں بیوی اپنے سرونٹ کوارٹر میں تھے۔"

"تم نے کوٹھی کو کب چھوڑا تھا۔ کوئی وقت بتا سکتے ہو؟"

"جی۔ مجھے صحیح وقت کا تو پتا نہیں لیکن میرے کوارٹر آنے سے پہلے عشا کی اذان ہو چکی تھی۔"

"عشاء کی اذان سے کتنی دیر بعد تم آئے تھے؟"

"تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد۔"

"اس وقت تمہاری بیوی کہاں تھی؟"

"وہ میرے ساتھ تھی اور تیز بخار میں تپ کر تڑپ رہی تھی۔"

"وہ بھی تیرے ساتھ واپس آئی تھی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔ ہم اکٹھے ہی صاحب اور بیگم صاحبہ سے اجازت لے کر آئے تھے۔"

"اسے بخار کب ہوا تھا؟"

"اسے بخار تو صبح سے تھا جی... لیکن وہ کام کرتی رہی۔"

"وہ بخار میں کام کیوں کرتی رہی؟"

"جی میں نے اسے کہا تھا کہ تم بخار میں کام مت کرو۔ میں تمہارے حصے کا کام کردوں گا... لیکن وہ نہ مانی وہ کہتی تھی کہ آج ہی ندیم صاحب گھر آئے ہیں اور آج ہی میں کام نہ کروں' وہ کیا سوچیں گے' وہ مجھے کام چور کہیں گے۔"

"تمہاری بیوی کا کیا نام ہے؟"

"جی اس کا نام تو رضیہ ہے لیکن سب اسے نصین کے نام سے پکارتے ہیں' خبر نہیں نصین کا کیا مطلب ہے؟"

"تم بیگم صاحب کے کمرے میں کب گئے تھے؟"

"میں دو دفعہ گیا تھا ایک دفعہ جھاڑ پونچھ کے لئے اور دوسری دفعہ منے کو اٹھانے کے لئے۔"

"تو تم نے منے کو مار دیا' تم سے کس نے منے کو مروایا؟"

"صاحب جی' اللہ قسم' میں نے پھول سے منے کو نہیں مارا۔"

طارق نے غصے سے ہیڈ کانسٹیبل کو بلایا اور اسے دلبر کو حوالات میں بند کرنے کا حکم دے دیا۔ پھر طارق نے نسرین اور نشاط دونوں کو اندر بلایا اور اپنے تھانیداری لہجے میں بولا "نشاط۔ تمہارا پھول سا بیٹا قتل ہو گیا ہے۔ بیٹے کو نہ ماں' نہ باپ نہ نانی قتل کر سکتی ہے۔ میرا شک صرف دو آدمیوں پر ہے۔ ایک نبیل پر اور دوسرا دلبر پر۔"

"نہیں جی۔ نبیل قتل نہیں کر سکتا" نشاط نے روتے ہوئے کہا۔

"نشاط صاحبہ یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے کہ وہ قتل کر سکتا ہے کہ نہیں" طارق نے ذرا غصے سے کہا۔

نشاط کے بعد اس کی ماں نسرین نے بھی پر اعتماد لہجے میں کہا "میں بھی کہتی ہوں نبیل

قاتل نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارا قابل اعتماد منیجر ہے۔ جب وہ ڈیوٹی ختم کر کے کل گھر گیا تھا تو میں نے خود گیٹ بند کیا تھا۔ ہم سوئے تھے تو گھر کے تمام دروازے بند تھے' کیا نبیل جن یا بھوت تھا کہ گھر کے دروازوں کے لاک اپ ہونے کے باوجود وہ گھر کے اندر آ گیا اور قتل کر کے چلا بھی گیا اور دروازے بند ہی رہے۔"

"آپ دونوں ماں بیٹی جا سکتی ہیں' منے کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کریں۔ جب مجھے ضرورت پڑے گی آپ دونوں کو بلا لوں گا۔" طارق نے کہا۔

"ہمارے منیجر اور ہمارے نوکر کو آپ نے حوالات میں بند کر دیا ہے۔ منے کے باپ ندیم کا اتا پتا نہیں۔ ایسی صورت میں ہم غموں کی چکی میں پسی ہوئی عورتیں منے کو دفنانے کا کیسے بندوبست کر سکتی ہیں۔" نسرین نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"او آئی سی۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں' آپ منیجر کو لے جائیں اور منے کو دفنانے کا بندوبست کریں۔"

ان کے جانے کے بعد طارق نے دوبارہ شہزاد کے گھر فون ملایا تو گل نے فون اٹھایا "ہیلو۔"

"آپ کون بول رہی ہیں؟" طارق نے پوچھا۔

"میں شہزاد کی بیوی بول رہی ہوں گل۔"

"گل صاحبہ تھوڑی دیر پہلے فون کیا تھا لیکن اس وقت فون کسی نے نہیں اٹھایا تھا۔ کیا آپ گھر میں نہیں تھیں؟"

"جی ہم گھر میں ہی تھے' بچے اسکول سے آئے تھے' ہم کھانا کھا رہے تھے' فون بجتا رہا جب میں اٹھانے گئی تو فون بند ہو گیا' بائی دی وے آپ کون ہیں؟"

"میں پولیس انسپکٹر طارق ہوں۔"

"کیسے یاد فرمایا؟"

"جی ندیم صاحب کا پوچھنا تھا۔ کیا وہ آپ کے گھر آئے ہیں؟"

"طارق صاحب' کیا معاملہ ہے۔ آپ کا ان کے ساتھ کیا کام ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گل صاحبہ' کسی نے ان کے نومولود منے کو قتل کردیا ہے۔"

"منے کو قتل کردیا ہے' کس نے قتل کردیا ہے؟"

"گل صاحبہ' یہ تو پتا نہیں' اس لیے تو ندیم صاحب کا پوچھ رہا ہوں شاید وہ کچھ بتا سکیں۔"

"جی وہ آئے تو تھے لیکن اب تو وہ اسپتال میں داخل ہیں' زیست و موت کی کشمکش میں۔"

"کیا ہوا انہیں؟"

"وہ ٹیکسی سے اتر کر ہمارے گھر میں آرہے تھے کہ دو غنڈوں نے انہیں گھیر لیا۔ ایک غنڈے نے ان پر فائر کردیا۔ گولی ان کے پیٹ میں لگی۔ ان کے پیٹ سے خون فوارے کی طرح بہنے لگا۔ انہوں نے ہمت کرکے گھر کی اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں گھنٹی کی آواز سن کر باہر آئی تو انہیں گرے ہوئے دیکھا تو میں سٹپٹا گئی۔ میں انہیں اسپتال لے گئی۔ اب وہ اسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔"

"او آئی سی... یہ تو ایک بہت بڑا پلان معلوم ہوتا ہے۔ شاید منے کے قاتلوں نے ہی ندیم پر حملہ کیا ہو تاکہ پورے خاندان کا صفایا کردیں' کیا مجرم پکڑے گئے ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی۔"

"اوکے گل صاحبہ' تھینک یو ویری مچ' میں ابھی اسپتال جاکر ندیم کو دیکھ لیتا ہوں۔"

"کون تھا؟" گل کے فون رکھنے کے بعد شہزاد نے پوچھا۔

"سب انسپکٹر طارق تھا۔"

"کیا کہتا تھا' مجھے گرفتار کرنا چاہتا ہوگا" شہزاد نے افسردہ لہجے میں پوچھا۔

"گرفتاری گرفتاری' شہزاد تم کب میری مانو گے۔ پلیز' اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مت مارو۔ ندیم صاحب نے تمہیں بچالیا ہے۔ انہوں نے شوٹ کرنے کا الزام تو غنڈوں پر لگایا ہے۔ تو پھر تم نے کیوں گرفتاری کا بھوت اپنے اوپر سوار کرلیا ہے۔"

"تو پھر طارق کیا کہتا تھا؟" شہزاد نے پوچھا۔

"وہ ندیم کا پوچھ رہا تھا" پھر گل خاموش ہوگئی چند ثانئے کے بعد غمناک لہجے میں بولی "ندیم کا ایک ماہ کی عمر کا معصوم بچہ قتل ہوگیا ہے۔ آج صبح اسے کسی نے قتل کیا ہے' میرا ذاتی اندازہ ہے کہ ندیم کو ضرور منے کے قتل ہونے کا پتا تھا۔ وہ منے کے قتل ہونے کے بعد ہی ہمارے گھر آئے ہوں گے۔ تب ہی تو وہ بہکی بہکی باتیں کررہے تھے۔ تمہیں اپنا باپ بتا رہے تھے۔ ان پر ضرور جنون کا دورہ پڑا تھا اور شہزاد تم نے... تم نے اس آدمی پر گولی چلادی جس کے ذہن کا نشیمن جل چکا تھا۔ جس کا دماغ کام نہیں کررہا تھا۔ تم نے بہت برا کیا شہزاد۔ جب کہ اس نے اپنے مرحوم دوست کی لاج رکھ لی۔ اس نے تمہیں قتل کے الزام سے صاف بچالیا' صاف بچالیا۔"

"بس کرو گل' بس کرو۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ جب ہمارے گھر میں آیا تھا تو وہ غموں کے بادلوں میں گھرا تھا اور برق چمک رہی تھی پھر بجلی گری' وہ میں نے گرائی تو اس کا بچا کھچا نشیمن بھی جل گیا۔ اب وہ نہیں بچ سکے گا' اب وہ مرجائے گا۔"

"شہزاد۔ خدا کے لئے منہ سے برے کلمات مت نکالو۔ ان کے لئے دعائیں مانگو' دعائیں۔"

"گل۔ میں ڈاکٹر ہوں جس جگہ انہیں گولی لگی ہے وہ ہرگز روبہ صحت نہیں ہوسکتے' ہرگز نہیں۔"

"خدا کے لئے بہکی بہکی باتیں مت کرو۔ خدا کے لئے۔"

معاظہر کی اذان ہوئی۔ گل نے وضو کیا اور ندیم کی صحت یابی اور شہزاد کے سکون کے لئے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنے لگی۔

گل سے فون کرنے کے بعد طارق سیدھا اسپتال گیا۔ اس وقت تک ڈاکٹروں نے آپریشن کرکے اس کے پیٹ سے گولی نکال دی تھی اور وہ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اسے آکسیجن ماسک لگی تھی اور گلوکوز کی ڈرپ بھی۔

ڈاکٹر کے استفسار پر ڈاکٹر انچارج نے طارق کو بتایا "کسی غنڈے نے ندیم کو شوٹ کیا ہے اور متعلقہ علاقے کے تھانے دار نے ایف آئی آر کاٹ کر تفتیش شروع کردی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسپتال سے طارق سیدھا علامہ اقبال پولیس اسٹیشن گیا جس کے تھانے دار نے ابتدائی رپورٹ لکھی تھی۔ طارق نے اسی تھانے کے ایس ایچ او علمدار سے اپنے آنے کا مقصد و مدعا بیان کیا۔ ندیم کی کنڈیشن کے بارے میں پوچھا اور اس سے ضروری صلاح و مشورہ کرکے واپس اپنے تھانے پہنچ گیا۔

○☆○

طارق نے تھانے پہنچ کر نسرین کے گھر فون کیا۔ کافی دیر کے بعد نسرین نے فون اٹھایا "ہیلو۔ میں نسرین بول رہی ہوں" نسرین نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا منے کو دفن کردیا ہے؟" طارق نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ندیم صاحب کا انتظار کررہے ہیں' علامہ اقبال ٹاؤن پر شہزاد اور اسد دونوں کو فون کیا ہے لیکن کوئی اٹھا نہیں رہا ہے' دل بہت پریشان ہے۔"

"میڈم' آپ ان کا انتظار نہ کریں۔ وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں' اس پر کسی نے فائر کردیا ہے شاید اسد اور شہزاد بمع فیملیز اسپتال گئے ہوں گے اسی لیے تو کوئی فون نہیں اٹھا رہا ہے" طارق نے ایک سانس میں سب کچھ بتادیا۔

"ہائے میں تباہ ہوگئی' برباد ہوگئی" فون نسرین کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ بلبلانے لگی۔

"ماں۔ کیا آفت آگئی ہے۔ آگے منے کا غم کھائے جارہا ہے۔ ماں بتاؤ نا" نشاط نے روتے روتے پوچھا۔

"بیٹی نشاط' ندیم پر کسی نے فائر کردیا ہے' وہ اسپتال میں داخل ہے۔"

"ہائے میں مرجاواں" نشاط نے کہا اور اس نے گریہ وزاری شروع کردی۔ منے کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی۔ وہ پہلے ہی رو دھو رہی تھی۔ ندیم کے اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کی خبر اس پر بجلی بن کر گری۔ وہ زاروزار رونے لگی۔

نبیل کو ندیم کے اسپتال ایڈمٹ ہونے کا قطعی افسوس نہیں تھا۔ اسے اگر افسوس تھا تو منے گوہر کے مرنے کا۔ لیکن اسے ایک فکر ضرور کھائے جارہی تھی کہ ایک رات میں

نشاط میں بہت تبدیلی آگئی تھی۔ وہ ندیم سے ٹوٹ کر پیار کرنے لگی تھی جبکہ اس نے آپس کی گٹھ جوڑ کے تحت ایک نقلی بیوی کا روپ اختیار کررکھا تھا۔ لہٰذا نبیل کی آنکھوں سے پریشانی اور افسردگی جھلک رہی تھی۔

○☆○

بعد نماز عصر منے کو دفن کردیا گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد نبیل' نسرین اور نشاط تینوں اسپتال ندیم کی مزاج پرسی کے لئے گئے۔ اس وقت تک ندیم کو ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ آئی سی یو وارڈ میں لیٹا تھا۔ گلوکوز لگی تھی اور مصنوعی تنفس آلہ لگا تھا۔ ان تینوں کو شیشے سے جھانک کر ندیم کو دیکھنے کی اجازت ملی۔

نشاط نے ندیم کو دیکھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ نسرین اور نبیل مرقع حیرت بنے نشاط کو روتا ہوا دیکھ رہے تھے اور اسے چپ رہنے کی تلقین کررہے تھے۔ وہ دونوں پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ نشاط ندیم کے لئے کیوں گریہ وزاری کررہی تھی۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ تینوں گھر آگئے۔

رات کے دس بجے فون آیا۔ فون نشاط نے اٹھایا۔ فون اسپتال سے کسی ڈاکٹر نے کیا تھا' اس نے بتایا "نشاط۔ آپ کی دعائیں مستجاب ہوگئیں ہیں اور ندیم کو ہوش آگیا ہے۔"

"تھینک یو ڈاکٹر۔ ڈاکٹر کیا ندیم کو ملنے میں اسپتال آسکتی ہوں" نشاط نے جھوم کر پوچھا۔

"نہیں نشاط۔ آپ انہیں کل مل سکتی ہیں۔ وزیٹنگ ٹائم پر۔ بہرحال آپ کے لئے میں کل صبح تھوڑی دیر کے لئے ملاقات کا بندوبست کرسکتا ہوں۔"

"تھینک یو ویری مچ ڈاکٹر۔" نشاط نے کہا۔

ندیم کے ہوش میں آنے کی روح افزا خبر سن کر نشاط کے دل کا کنول کھل اٹھا۔ وہ مہکتے و جھومتے ہوئے دوسرے کمرے میں آئی جہاں نبیل اور اس کی ماں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ وہ چہکتی ہوئی بولی "ندیم کو ہوش آگیا ہے۔"

ابھی اس نے جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ نبیل بلبلاتے ہوئے دھاڑا۔ "نشاط۔ ندیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ تمہارے والہانہ پیار کو دیکھ کر میں عجیب الجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ پولیس اسٹیشن میں جو تم نے بیان دیا تھا وہ بھی میں نے سن لیا تھا۔ تم ہماری اسکیم کا مرکزی کردار ہو کہ جس کی رو سے ندیم کے مرنے کے بعد تم میری باقاعدہ بیوی ہو گی۔ لیکن تم پرسوں رات اس کے ساتھ ہم بستری کر کے اس کے لہو کو گرم کرتی رہیں' تھو... تھو تم پر۔"

"تھو تھو تم پر۔ وہ میرا خاوند ہے' اگر میں نے اس کے لہو کو گرمایا تو وہ میری ضرورت تھی اور میں اس کی ضرورت" پھر وہ ملائمت بھرے لہجے میں گویا ہوئی "یقین مانو نبیل۔ میں نے اسے اپنے ناپاک جسم کا واسطہ دیا۔ اسے مذہب کا واسطہ دیا۔ لیکن اس نے میری ایک نہ سنی' مجھے اپنی بانہوں میں دبوچ لیا۔ میں پھڑکی' بہت پھڑکی لیکن جب انہونی خوشی میری روح میں اتری تو میں ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے مجھے انجانی روحانی خوشی دی تو میرے جسم میں بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی میں اور وہ دونوں اس وقت تک یعنی رات کے بھیگنے تک سہاگ رات مناتے رہے۔ مجھے تو اس رات پتا چلا کہ خاوند اور بیوی کا کیا رشتہ ہوتا ہے۔ تم اس کے مقابلے میں صفر ہو۔ اب اسے صحت یاب ہونے دو۔ اب میں اسے اپنے دل کے گوشے میں آباد کر کے رکھوں گی۔ ہم ایک جان دو قالب بن کر رہیں گے۔ ایک جان دو قالب۔"

"بکواس مت کرو" نبیل نے اس کے منہ پر زوردار گھونسہ لگاتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے دفع ہو جاؤ' تم ہمارے نوکر ہو' دو ٹکے کے ملازم" نشاط نے بھی جواب میں اسے زوردار طمانچہ مارا اور گرجتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھوں گا" نبیل نے جاتے جاتے کہا۔

"تھو' تم کیا دیکھو گے' نانجار' صرف بچے پیدا کرنے سے آدمی مرد نہیں بن سکتا۔ مرد تو ندیم ہے' جس نے میری ننھی انگنائی میں بھڑکتے ہوئے الاؤ کو ٹھنڈا کیا ہے' جاؤ دفع ہو جاؤ۔ ندیم میرا خاوند ہے' دنیا بھی جانتی ہے وہ میرا خاوند ہے۔ یہ تو امی کی حرص دولت' میری خام بصیرت اور گردش حالات کا کرشمہ تھا کہ امی نے مجھے تمہارے اور بدنام زمانہ زہرت کو ندیم کے حجلہ عروسی کی زینت بنا دیا لیکن نکاح نامے پر تو ندیم اور میرا نام ہی لکھا ہے... قانونی اور

شرعی طور پر میں ندیم کی بیوی ہوں... بیوی۔"

نبیل چلا گیا تو نسرین روہانسی ہو کر بولی "نشاط تو نے اچھا نہیں کیا۔"

"ماں۔ جب بہاروں کا موسم آ جائے' پھول کھل کر مسرا کر خوشبو دینے لگیں تو خزاؤں کو یاد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب تو میری زندگی کی پھلواری میں بہار آئی ہے' اب تو میرے قیمتی موتی کو کیف و خمار ملا ہے۔ اب ہی تو مجھے خاوند کی شخصیت اور جورو کی حیثیت کا پتا چلا ہے۔ اب کوئی آسمانوں سے اڑتا بھی آ جائے اور مجھے کہے کہ ندیم کے دامن کو چھوڑ دو۔ تو میں ڈائن بن جاؤں گی' اور اسے کچا کھا لوں گی' کچا چبا لوں گی۔ ماں اگر تم نے بھی میری مچلتی ہوئی آرزوؤں کو کچلنے کی کوشش کی تو میں..."

"ٹھیک ہے بیٹی۔ میں تمہاری خوشیوں کی خاطر اپنے چراغ تمنا کو بجھا دیتی ہوں" نشاط کے فقرہ مکمل ہونے سے پہلے نسرین بول اٹھی۔

"تھینک یو ویری مچ مما۔ اب ندیم کی صحت یابی کے لئے دعا کرو۔ جب وہ ٹھیک ہو جائیں گے تو وہ بھی تمہیں مل جائیں گے اور ان کی سب جائداد بھی۔ یعنی وہ میرا اور میں اس کی۔ میرے بچے اس کے' اس کی جائداد میرے بچوں کی۔ وہ بوٹا میں اس کی ڈالی اور بچے ہمارے پھول۔ ٹھیک ہے ناں ماں" نشاط نے فرط مسرت سے ماں کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میری بیٹی" نسرین نے آنکھوں میں جگنو جگمگاتے ہوئے کہا۔

○☆○

ندیم دن بہ دن روبہ صحت ہونے لگا۔ ہر روز نشاط و نسرین' شہزاد و اسد بمع فیملیز اسے ملنے آتے۔ وہ ان سے مل کر بہت مسرور ہوتا۔ چہکی چہکی باتیں کرتا۔ خلوت میں نشاط ابھی ندیم سی بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتی۔

"ندیم۔ اس رات تم نے میری کایا پلٹ دی۔ مجھے صحیح راہ پر لگا دیا۔ میں بھٹک گئی تھی۔ میں ماں اور نبیل کے جال میں پھنس گئی تھی لیکن اس رات جو تم نے میرے دل میں کیف و سرور کا چراغ روشن کیا تو میں راہ راست پر آ گئی۔ میں نے ماں اور نبیل کے فریبی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جال کو تیرے پیار کی قینچی سے کاٹ دیا' کاٹ دیا۔ ندیم اب میں تمہاری ہوں۔ میں نے نبیل کو گھر سے نکال دیا ہے' اب وہ کبھی ہمارے گھر نہیں آئے گا۔ میں نے اس کی نوکری بھی ختم کردی ہے۔ ٹھیک کیا ہے نا ندیم۔"

لیکن ندیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سنتا رہا اور غور سے سنتا رہا۔ پھر نشاط ٹھنڈی آہ بھر کر بولی "ندیم دولت کے لالچ میں' میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ میں... میں نے..."

"ہاں ہاں' بولو۔ چپ کیوں ہو گئی ہو؟"

"شرم آتی ہے بلکہ اپنے آپ سے گھن آتی لیکن ندیم اب میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ چاہے آپ مجھے طلاق دے دیں۔ میں اب آپ کو دھوکا نہیں دے سکتی۔ آپ نے مجھے حقیقی فرحت و طمانیت سے سرشار کرکے خرید لیا ہے۔ اب میں آپ کی پیار خرید نوکرانی ہوں' نوکرانی۔ ندیم ہم نے ایک چال چلی تھی۔ چال یہ تھی کہ میرا نکاح ضرور آپ سے پڑھایا گیا تھا لیکن شب زفاف میرے بجائے آپ نے ایک طوائف زہت کے ساتھ گزاری تھی جبکہ میں نے نبیل کے ساتھ۔ ہماری پلاننگ یہ تھی کہ جب میری کوکھ سے بچہ ہو جائے گا اور آپ ساری جائداد اس کے نام پر لگا دیتے تو پھر ہم آپ کو قتل کرا دیتے۔ وہ اس طرح کہ ہم پکنک منانے کے لئے کسی معروف مقام پر جاتے جہاں کرائے کا قاتل آپ کو گولیوں کا نشانہ بنا کر بھاگ جاتا۔ آپ کے مرنے کے بعد آپ کی تمام جائداد کا مالک میرا منا' میرا بیٹا گوہر مالک ہوتا اور پھر میں اور نبیل میاں بیوی بن کر پر بہار زندگی گزارتے... میرے منے کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اچھا ہوا کہ وہ قتل ہو گیا ہے۔ وہ نبیل کا بیٹا تھا۔ اب ہمارے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں ہے' اب ہم پیار کے ساتھ بہاروں کی دنیا میں رہیں گے' بہاروں کی چھاؤں میں۔"

ندیم چپ رہا تو نشاط نے شبنمی آنکھوں کے ساتھ گویا ہوئی "سرتاج۔ آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہو گئے کیا' کچھ آپ بھی تو بولیں' پلیز بولیے نا۔"

"میں نے اچھا نہیں کیا' اچھا نہیں کیا" ندیم نے غموں میں ڈوب کر کہا۔

"ارے ارے سرتاج۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اچھا تو ہم لوگوں نے آپ کے

ساتھ نہیں کیا۔ آپ تو فرشتہ ہیں کہ الٹا ہمارے الزام کو اپنے سر تھوپ رہے ہیں" نشاط نے ندیم کی کشادہ جبیں کو چوم کر کہا۔

نشاط کے گرم لبوں کے چھونے سے ندیم کی رگوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس میں شعور کا احساس بھی جاگ اٹھا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا "جو کچھ میں نے کیا ہے۔ اسے دفن ہی رہنا چاہئے۔"

ندیم کو سوچتے دیکھ کر نشاط افسردہ لہجے میں بولی "سرتاج۔ آپ کن انجانے خیالات میں مستغرق ہیں۔ آپ میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے؟"

ندیم نے اپنے اوپر شعور کی چادر اوڑھ کر کہا "نشاط۔ تمہارا بہت ہی پیارا بچہ کسی نے قتل کر دیا ہے۔ وہ واقعی پیارا بچہ تھا۔ بہت خوب صورت تھا۔"

"ہاں ہاں بولیے نا۔ پلیز بولیے۔"

"اگر ایسا بچہ میں تمہیں نہ دے سکا۔ تو پھر..."

"میرے سر کے سائیں کھل کر ترشح فرمائیں۔ نہیں تو میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

"میرا مطلب ہے کہ اگر اب تمہاری گود ہری نہ ہو سکی تو تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گی؟"

"بھلا میں آپ کو کیوں چھوڑوں گی۔ بیٹا بیٹی پیدا کرنا انسان کے اختیار میں تھوڑا ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ کے بس میں ہوتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بیٹا عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹا اور بیٹی دونوں عطا کرتا ہے اور اس کی پھلواری میں رنگ برنگے پھول اگا دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے اولاد سے محروم رکھتا ہے۔"

"نشاط۔ تم تو بہت اونچے خیالات کی مالک ہو۔"

"جب آپ کے ساتھ رہنے لگوں گی تو اونچے خصائل کا پیکر بھی بن جاؤں گی۔"

"تھینک یو نشاط۔ اب میں انشاء اللہ تمہاری محبت و خلوص نیت کی دعاؤں سے جلد ٹھیک ہو کر گھر آجاؤں گا پھر ہم اپنی نئی دنیا بسائیں گے' نئی دنیا۔"

"بہت بہت شکریہ میرے دل جانی" نشاط نے اس کے سوکھے ہونٹوں کو مس کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○☆○

نشاط چلی گئی تو ندیم کو سکون کی نیند آگئی پھر اس نے خواب دیکھا۔

"اس نے نشاط کے ماہ بھر کے بیٹے کے منہ اور ناک پر تکیہ رکھ کر دبایا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اور پاؤں زور سے ہلے اور اس کے ساتھ ہی وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ معاً ندیم چیخ مار کر جاگ پڑا۔ نرس جو اس وقت روم میں بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ دوڑتی ہوئی ندیم کے پاس پہنچی اور ورطہ استعجاب میں ڈوب کر بولی "ندیم صاحب کیا ہوا؟ آپ نے چیخ کیوں ماری؟"

"میں چیختا نہیں تو کیا کرتا۔ مجھے نیند نہیں آرہی' مجھے سخت درد ہو رہا ہے۔"

"ندیم صاحب۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اگر آپ کو نیند نہیں آرہی تھی تو آپ گھنٹی کا بٹن دبا دیتے' میں جھٹ آجاتی اور آپ کو نیند کی گولی دے دیتی اور آپ سکون سے سو جاتے۔"

"آئی ایم سوری سسٹر۔ آپ نیند کی گولی ابھی مجھے دے دیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی لاتی ہوں۔"

نرس نے ندیم کو نیند کی دو گولیاں دیں اور چلی گئی۔ ندیم افسردگی و پژمردگی میں ڈوب کر سوچنے لگا "میں نے ایک معصوم بچے کی جان لی ہے' میں قاتل ہوں' دنیا کو اس کا علم نہیں لیکن اللہ تو جانتا ہے۔ کہ میں قاتل ہوں' قاتل بھی ایک معصوم بچے کا۔ مجھے جینے کا کوئی حق نہیں اگر میں زندہ رہا تو معصوم بچہ خوابوں میں آ آ کر مجھ پر برق بن کر کوندتا رہے گا۔ میرے شعور کا نشیمن جل کر بھسم ہو جائے گا' میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اگر میں پاگل نہ بھی ہوا اور قتل کے غم کو فراموش بھی کر بیٹھا۔ تو نشاط جو گلاب کا شگفتہ پھول ہے۔ پھول کی طرح ملائم ہے پھول کی طرح خوبرو اور احمر ہے۔ جب اس کی گود میں کوئی پھول نہیں کھلے گا تو وہ مجھے چھوڑ دے گی' وہ کسی اور باغبان کو گھر لے آئے گی اور اس کی آبیاری میں اپنی پھلواری میں پھول ہی پھول کھلا دے گی۔ پھر میری کیا حالت ہو گی۔ میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح ہوا کے دوش پہ دوش اڑتا رہوں گا اور جب زمین پر گروں گا تو لوگ اپنے قدموں کے نیچے کچل کچل کر

ماردیں گے۔ میرے لئے تو بہتر ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لوں۔ اپنے ہاتھوں سے۔ نہیں نہیں یہ مشکل کام ہے۔ اگر میں اپنے آپ کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوا تو لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ متنوع سوال اٹھیں گے۔ مجھے ایسے طریقہ خودکشی پر عمل کرنا چاہئے کہ جس میں کامرانی میرے قدم چومے۔

ندیم نے تصور ہی تصور میں خودکشی کا ایک کامیاب طریقہ سوچ لیا۔ وہ روزانہ نیند کے بہانے سسٹر سے نیند کی گولیاں لیتا رہا اور جمع کرتا رہا۔

○☆○

دلبر کو معصوم گوہر کے قتل کے جرم میں حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس کی بیوی رضیہ عرف نسین کو نبیل کے کہنے پر نوکری سے چھٹی دے دی گئی تھی۔ اور اس نے ایک معروف ڈاکٹر کے گھر ملازمت اختیار کر لی تھی۔

دلبر کو پہلی رات حوالات میں مرغن غذا کھلائی گئی۔ جب آدھی رات ہوئی تو طارق نے اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

"ہاں دلبر۔ سچ سچ بتاؤ۔ تو نے منے کو کیوں مارا؟"

دلبر کی آنکھیں پر تکلف کھانا کھانے کی وجہ سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اسے سخت نیند آرہی تھی اس نے بوجھل آنکھوں سے جواب دیا "صاحب۔ مجھے سخت نیند آرہی ہے۔"

"ارے کم بخت تمہیں کھانا اسی لئے پیٹ بھر کر کھلایا ہے کہ تمہیں خوب نیند آئے اور ہم تمہیں سونے نہ دیں' اگر تم آرام سے سونا چاہتے ہو تو سچ سچ بتا دو کہ تم نے منے کو کیوں مارا اگر تم نے یہ نہ بتایا تو ہم ساری رات تمہیں سونے نہیں دیں گے۔"

جواب دینے کے بجائے دلبر نیند کی فراوانی سے ڈولنے لگا۔ تو انسپکٹر طارق نے اسے بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور اپنے تھانے کی مخصوص زبان میں گالی دیتے ہوئے بولا "دلبر۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے کیوں قتل کیا' نہیں تو ہم پوری رات تمہیں پریشان کرتے رہیں گے۔"

"اللہ قسم۔ صاحب جی' میں نے منے کو نہیں مارا۔" دلبر نے اونگھتے ہوئے کہا۔

طارق نے اسے پھر بالوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ اسے گھمایا اور چھوڑ دیا۔ وہ بے چارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کراہتا ہوا دیوار سے لگا۔ اس کے سر سے خون نکل آیا۔ درد کی شدت سے پل بھر کے لئے اس کی نیند کافور ہو گئی اور وہ فریادی لہجے میں بولا "صاحب جی' میں نے نہیں مارا" پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

طارق نے ہیڈ کانسٹیبل کو حکم دے کر چلا گیا۔ "اس خبیث کی مرہم پٹی کرا دو۔ آج اسے سونے دو۔ کل اس کی خبر لیں گے۔"

دوسری رات بھی دلبر کو خوب کھانا کھلایا گیا اور اسے رات بھر نہ سونے دیا گیا لیکن دلبر نے قتل کا الزام اپنے اوپر نہ لیا۔ آخر ہیڈ کانسٹیبل جو اس سے قتل کا راز اگلوانا چاہتا تھا وہ تنگ آ گیا اور وہ کہہ کر چلا آیا "دلبر اب کل تم سے نمٹیں گے۔ پھر تمہیں دادی اماں یاد آئے گی۔ پھر تم خود ہی مان جاؤ گے۔"

دوسری صبح تقریباً دس بجے ہیڈ کانسٹیبل نے دلبر کو انسپکٹر طارق کے سامنے پیش کیا اور بولا "دلبر اقبال جرم نہیں کر رہا۔ میرے خیال میں ابھی تھرڈ ڈگری کا طریقہ اس پر آزمایا جائے۔"

"ہاں ٹھیک ہے آج اسے اتنا مارو کہ اس کی ہڈی پسلیاں ایک کر دو۔"

"ٹھیک ہے سر" پھر ہیڈ کانسٹیبل نے معصوم دلبر' لاغر دلبر پر تھرڈ ڈگری کا طریقہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخیں نکلنے لگیں۔ چیخوں سے کمرے کے در و دیوار یں ارتعاش میں آ گئیں۔ نیلا آکاش ایک معصوم انسان پر ظلم ہوتے دیکھ کر شبنم افشانی کرنے لگا۔

دلبر تو ایک معمولی سا نوکر تھا۔ کوئی نامی گرامی چور ڈاکو تو نہیں تھا۔ پولیس کے تھرڈ ڈگری کے استعمال سے تو بڑے بڑے ڈاکو بھی ناکردہ جرم تسلیم کر لیتے تھے۔ دلبر کس باغ کی مولی تھا۔

آخر وہ کراہتے ہوئے بولا "صاحب کی' منے کو میں نے قتل کیا ہے۔"

"شاباش دلبر۔" ہیڈ کانسٹیبل نے خوش ہو کر کہا اور اس سے اعتراف نامے پر انگوٹھا لگوا لیا۔ دوسرے روز اسے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا جہاں اس نے تسلیم کر لیا کہ

منے کا قتل اس نے ہی کیا تھا۔

○☆○

ندیم اسپتال میں صحت کی منزلوں کی طرف بسرعت بڑھ رہا تھا۔ لیکن وہ تو جینا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لئے تو وہ نیند کی گولیاں جمع کر رہا تھا۔ دس دن وہ نیند کی گولیاں جمع کرتا رہا۔ پھر اس نے تمام کی تمام گولیاں پھانک لیں۔ ایک خط لکھا اور اسے تکیہ کے نیچے رکھ کر کمبل تان کر سو گیا۔

صبح جب سسٹر اسے دوا پلانے آئی تو وہ بسیار ہلانے کے نہ اٹھا تو سسٹر کو شک ہوا۔ اس نے اس کی نبض دیکھی تو وہ رک چکی تھی۔ سینے پر ہاتھ رکھا تو دل کی دھڑکن بھی بند ہو چکی تھی۔ ندیم دائمی نیند سو چکا تھا۔

سسٹر نے ڈیوٹی ڈاکٹر کو فی الفور رپورٹ دی۔ ڈاکٹر بھاگم بھاگ آیا۔ اسے چیک کیا تو وہ مر چکا تھا وہ حیرت سے سوچنے لگا "ندیم تو دن بدن صحت یاب ہو رہا تھا۔ اس کی فائل کی ہر رپورٹ تسلی بخش ہے۔ پھر وہ کیسے مرا' اس کے ذہن میں شک کا سانپ رینگنے لگا۔ اس نے اس کی تپائی اور بستر پر نظر دوڑائی تو کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے اس کے سر سے تکیہ ہٹایا تو اسے خط ملا جس میں لکھا تھا۔

"میں نے خودکشی کی ہے.... میں نے کیوں خودکشی کی ہے' یہ ایک راز ہے جو میں اپنے سینے میں دفن کر کے مر رہا ہوں۔ برائے مہربانی میرے جسم کی چیر پھاڑ نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ نشاط کو کہا جائے کہ وہ میری موت کی اطلاع امریکا میں رخشندہ اور میرے بیٹے نوید کو دے دے۔ میں ڈاکٹر نوشاد اور تمام اسٹاف کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے بہت لگن و دلچسپی سے میرا علاج کر کے مسیحائی کی لاج رکھ لی ہے۔"

○☆○

نیند کی گولیاں پھانکنے کے فوراً بعد ندیم نے امریکا رخشی کو فون کیا تھا۔

"رخشندہ میں بستر مرگ پر پڑا ہوں۔ میرا پڑوس یعنی میرے ساتھ والے بیڈ کا مریض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہایت متقی و پرہیز گار ہے۔ آج ہی اس کے استفسار پر میں نے اسے اپنی دلگداز آپ بیتی سنائی تو اس نے مجھ سے پوچھا' میں کس فرقے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اثنا عشری مسلمان ہوں' تو اس نے مجھے مژدہ سنایا کہ شیعہ فرقے کے مطابق رخشندہ کو طلاق نہیں ہوئی۔ وہ اب بھی تمہاری بیوی ہے۔ وہ کہتا ہے طلاق مکروہ ترین فعل ہے۔ اور ایک وقت میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔۔۔ مصر میں جمال عبدالناصر کے زمانے میں فتوی دیا جاچکا ہے کہ ایک وقت میں تین طلاق کا نظریہ غلط ہے۔ ایوب خان کے دور حکومت میں عائلی قوانین کا اجرا کیا گیا۔ جس میں اس فیصلے کو برحق سمجھا گیا کہ ایک وقت میں ایک ہی طلاق ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم میں بھی واضح ارشاد ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی طلاق ہو سکتی ہے۔ القصہ مختصر چونکہ میں نے دوسری طلاق تمہیں نہیں دی۔ اس لئے تم اب بھی میری بیوی ہو۔ میں آج نہایت مسرور ہوں کہ میں نے اپنی پیکر وفا عظمت بیوی سے مخاطب ہوں۔"

"لیکن میں تمہاری منطق کو تسلیم نہیں کرتی۔"

"تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں آج نہیں تو کل مرجاؤں گا۔ اب یہ تمہاری صوابدید پر منحصر ہے کہ تم مطلقہ کہنا پسند کرو یا بیوہ۔ ویسے بھی تم نے طلاق کا رازٹاپ سیکرٹ رکھا ہوا ہے۔ میرا یہ انکشاف تو تمہارے لئے خوشیوں کا انکشاف ہے' تمہیں تو سن کر پر بہار ہواؤں کے ساتھ اڑنا چاہئے لیکن تم ہو کہ۔۔۔ بہرحال تم جو بھی سمجھو یہ تمہاری مرضی۔ میں تمہیں اپنی منکوحہ سمجھ کر فون کر رہا ہوں۔ مرنے سے پہلے میں تم سے اپنے گناہ معاف کرانا چاہتا ہوں۔ پلیز رخشی مجھے معاف کر دینا تاکہ میں آسانی سے مرسکوں۔ میرے مرنے کے بعد میری روح کی مغفرت کے لئے ہفتے میں ایک بار خصوصا جمعرات کو درود ضرور پڑھ دینا۔ اگر ہو سکے تو سال میں ایک بار ترجیحا ماہ رمضان میں قرآن شریف پڑھوا کر مجھے بخش دینا۔"

"ٹھیک ہے ندیم ٹھیک ہے۔ لیکن ایک گناہ آپ بھی مجھے معاف کردیں" رخشی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تم سے راضی' میرا خدا تم سے راضی۔ میں ہر گناہ تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

"لیکن ندیم۔ پوچھو گے نہیں کہ میں کون سا گناہ آپ سے معاف کرانا چاہتی ہوں۔"

"نہیں۔ میں پوچھوں گا نہیں۔ ویسے بھی میرا رواں رواں تم سے پر خوش ہے۔"

"لیکن میں ضرور بتاؤں گی۔ میرا گناہ یہ ہے کہ جب تم نے میرے بھڑکانے پر اپنا ٹیسٹ کرایا تھا تو میں نے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے فون پر گڑگڑا کر التجا کی تھی کہ ڈاکٹر خدا کے لئے ندیم کو یہ نہ بتانا کہ وہ بچہ پیدا کرنے کے قابل ہے۔ نہیں تو وہ مجھے طلاق دے دے گا۔ پھر ڈاکٹر نے ویسا ہی کیا جیسا میں نے اسے کہا تھا۔ میں کتنی بدقسمت تھی کہ میں نشاط سے تمہارے بچے کی پیدائش کی خبر سن کر جل بھن گئی' حسد کی آگ میں جلنے لگی۔ ویسے تھوڑا سا اس میں آپ کا بھی قصور تھا کہ اگر آپ شادی میں مجھے شریک کرتے اور مجھے اپنا رازدار بنا لیتے تو شاید میں آپ کے بچے کو اپنا بچہ سمجھتی۔ جیسا کہ نوید کو آپ اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ القصہ مختصر آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ نشاط کی کوکھ سے جنم لینے والا بچہ گوہر تمہارا اپنا گوہر ہے۔ میرا گوہر ہے' سن رہے ہیں نا آپ۔"

"ٹھیک ہے رخشندہ جو ہوا اس پر مٹی ڈالو۔ ویسے بھی گوہر اس دنیا میں نہیں رہا۔ اسے کسی بے رحم' بدنصیب شخص نے قتل کر دیا ہے۔"

"اللہ غارت کرے قاتل کو' اللہ اسے جہنم کے سخت گوشے میں پھینکے۔ جب تک جیئے دنیا کی آگ میں جلتا رہے۔ اللہ اس کی نیندیں حرام کرے۔ ایک معصوم بچے کی جان لے لی سنگ دل نے۔"

"آگ میں تو وہ جل رہا ہے۔ یہ آگ تو جہنم کی آگ سے بھی زیادہ ہے۔"

"کیا کہا۔۔۔ کیا آپ قاتل کو جانتے ہیں؟"

"ہاں۔ میں جانتا ہوں' وہ قاتل میں ہوں۔ جب تم نے مجھے بھڑکایا کہ میں گوہر کا باپ نہیں بن سکتا' میں نے میڈیکل چیک اپ کرایا اور تمہارے ارشاد کی تصدیق ہو گئی تو میں نے گوہر کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں پاکستان آیا اور پہلی ہی رات میں نے گوہر کے ناک و منہ پر تکیہ رکھ کر اسے مار دیا۔ وہ بے چارہ' ننھا سا لو تھڑا چند سیکنڈ کے لئے لرزا اور پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرگیا۔ لیکن وہ گوہر میرا گوہر نہیں تھا۔"

"ندیم۔ میں نصیبوں جلی' میں ہی منے کی قاتل ہوں' اللہ مجھ پھوہڑ پر اپنا قہر ڈھائے۔ لیکن ندیم تم تو مجھے معاف کردو۔ پلیز یہ گناہ مجھے معاف کردو۔ ندیم خدا کے لئے مجھے معاف کردو۔ اور یہ تم نے کیا کہہ دیا کہ وہ گوہر تمہارا گوہر نہیں تھا؟"

"رخشی۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں' اللہ اور رسولؐ تمہیں معاف کریں' اچھا اللہ حافظ۔ میرا آخری سلام۔"

"نہیں ندیم۔ ایسا نہ کہو' خدا کے لئے ایسا نہ کہو۔"

لیکن ندیم نے رخشی کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہاتھ سے فون گر گیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ہاتھ کیا پورا جسم لرز رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا' رخشی کہتی ہے کہ گوہر میرا گوہر تھا۔ جبکہ نشاط کہتی ہے کہ گوہر تو نبیل کا گوہر تھا۔ ٹھیک کہتی ہے... وہ تو گوہر کی ماں ہے۔ ماں کو بیٹے کے باپ کا پتا نہیں ہوگا تو اور کس کو ہوگا۔ ویسے بھی بقول نشاط سہاگ رات میں نے نزہت سے منائی تھی... ایک طوائف کے ساتھ۔

ندیم کے مرنے کی اطلاع رخشندہ کو فون پر دے دی گئی۔ نشاط نے زار و زار روتے ہوئے کہا "رخشندہ باجی۔ میں پاکستان سے بدنصیب نشاط بول رہی ہوں۔ وہ بدقسمت نشاط جس کے خاوند کی میت میرے سامنے پڑی ہے۔ ندیم صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر بہت دور جانے کی تیاری کررہے ہیں۔ شاید مجھ سے روٹھ گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اب وہ کبھی نہیں آئیں گے' کبھی نہیں آئیں گے۔"

"ہائے میں لٹ گئی' میں تباہ ہوگئی" رخشندہ نے سسکتے وبلکتے کہا۔

"باجی جی' فون کو ہاتھ سے گرنے نہ دیجئے گا' میری بات پوری سن لیجئے گا۔ سرتاج مرحوم نے مرنے سے پہلے نصیحت کی تھی کہ ان کے مرنے کی اطلاع آپ کو دے دی جائے' میں نے ان کی وصیت کو پورا کردیا ہے۔ اب آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کیا آپ پاکستان آرہی ہیں اور ندیم مرحوم کا منہ دیکھنا چاہتی ہیں؟ تو پھر میں ان کی نعش کو سردخانے میں رکھوادوں گی۔ آپ آئیں گی تو ان کے تابوت کو سپردِ خاک کردیں گے۔"

"نہیں نشاط۔ نہیں' سرتاج مرحوم کی نعش کو سردخانے میں ہرگز نہ رکھیں۔ ہمارا مذہب کہتا ہے کہ نعش کو جتنا جلد ہو دفنا دینا چاہئے۔ آپ ان کے جسم خاکی پر مٹی ڈلوادیں میں بمع نوید کے انشاءاللہ ان کے چہلم پر آؤں گی" رخشندہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"اوکے باجی جی" نشاط نے بلکتے ہوئے کہا۔

نشاط کے فون رکھنے سے پہلے رخشندہ کو اس کی درد بھری آہ سنائی دی "میرا سائیں۔ مجھے بے رحم دنیا کے گرداب میں اکیلا چھوڑے جارہا ہے۔ میں تباہ ہوگئی۔"

رخشندہ نے بھی دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کردیا۔ اس کے ذہن کے کینوس پر ماضی کے رخشندہ و تابندہ حالات وواقعات کی فلم چلنے لگی۔ جوں جوں اسے سہانی یادیں آتیں وہ اور بلک بلک روتی اور اپنے بال نوچتی۔

○☆○

ندیم کو گولی مارنے کے بعد شہزاد کا دماغ الجھا الجھا رہنے لگا تھا۔ اس کا رویہ اس کا باتیں کرنے کا انداز اور ڈھنگ پاگلوں جیسا ہوگیا تھا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا تھا۔ وہ اکثر اپنی پیکر وفا بیوی سے بھی جھگڑ پڑتا تھا۔ معصوم سے بچوں کو بھی سرزنش کرنے سے نہ چوکتا لیکن جب اس کا دماغ ٹھیک کام کررہا ہوتا تو وہ بیوی اور بچوں سے بے لوث پیار کرتا۔

اپنی بیوی گل کے مشورے پر اس نے اسپتال سے دو ماہ کی چھٹی لے لی تھی۔ گل کا خیال تھا کہ وقت کا مرہم اس کے اندیشوں اور وسوسوں کو مندمل کردے گا تو وہ پھر اسپتال کی ڈیوٹی جائن کرلے گا۔

ایک روز گھر میں بیٹھا شہزاد کچھ لکھ رہا تھا کہ اس نے غصے میں آکر اپنے قیمتی پن کی نب کو توڑ دیا۔ گل کے استفسار پر اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "کم بخت صحیح طرح سے نہیں لکھ رہا تھا اس لئے میں نے اس کی نب کو توڑ دیا ہے۔"

"لیکن کیا پین میں سیاہی بھری ہے" گل نے پوچھا۔

"یہ تو میں نے چیک نہیں کیا۔"

گل نے پن کو چیک کیا تو اس میں سیاہی کا نام ونشان نہ تھا۔ وہ افسردہ لہجے میں گویا ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سر تاج۔ پین میں سیاہی تو تھی نہیں پھر وہ کیسے لکھتا۔ کاش آپ نب توڑنے سے پہلے پن کو چیک کر لیتے۔"

"آئی ایم سوری گل۔"

معاً اطلاعی گھنٹی بجی۔ گل نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے پولیس انسپکٹر کو دیکھ کر تصویر ہو کر رہ گئی۔ اچانک انسپکٹر بولا۔ "بیگم صاحبہ۔ میں آپ کے علاقے کے پولیس اسٹیشن کا تھانے دار علمدار ہوں۔ کیا آپ مجھے اندر آنے کے لئے نہیں کہیں گی؟"

"کیوں نہیں' کیوں نہیں۔ اندر آیئے" گل نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔

"تھینک یو۔ کیا آپ شہزاد کی بیگم ہیں" علمدار نے اندر داخل ہوتے ہی شکریہ کے ساتھ پوچھا۔

"جی' جی۔ میں شہزاد کی بیوی ہوں۔" گل نے چلتے چلتے جواب دیا ڈرائنگ روم میں پہنچ کر علمدار کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی "میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"بیگم شہزاد۔ تکلف میں مت پڑیے' رہنے دیجئے چائے کو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے' مہمان کی خاطر تواضع کرنا میری گھٹی میں شامل ہے" گل نے ہنس کر جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی شہزاد بھی ڈرائنگ روم میں آ گیا اور تھانے دار علمدار کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ کر بولا۔

"السلام علیکم تھانے دار صاحب' میں شہزاد ہوں۔"

"وعلیکم السلام۔ شہزاد صاحب" علمدار نے ہنس کر جواب دیا اور خوش گوار لہجے میں بیگم شہزاد سے بولا "بیگم صاحبہ۔ آپ بھی بیٹھ جایئے' چائے کا تکلف نہ کیجئے اور سچ مانیں تو میں چائے پیتا بھی نہیں۔ مجھے شوگر کی بیماری لاحق ہے اس لئے میں میٹھی چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں۔"

تھانے دار علمدار کے سمجھانے پر گل سامنے والی دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی تو علمدار خوش گوار لہجے میں بولا "بیگم شہزاد! آپ کا نام شاید گل ہے اور آپ ہی

ندیم کے ایڈمٹ کرانے اسپتال لے گئی تھیں؟"

"جی ہاں۔ میرا نام گل بکاؤلی لیکن سب مجھے پیار سے گل کہتے ہیں۔ میں نے ندیم صاحب کو اسپتال میں داخل کرایا تھا۔"

"گل صاحبہ' آپ نے غنڈے کو ندیم صاحب کو گولی مارتے دیکھا تھا؟"

"نہیں جی۔ گھنٹی بجی تھی تو میں نے دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ انکل ندیم دروازے کے پاس گرے پڑے تھے۔ میں نے شہزاد کی مدد سے ان کو گاڑی میں ڈالا اور اسپتال لے گئی۔"

"آپ نے ندیم کو اسپتال لے جانے کا فریضہ شہزاد کے کیوں سپرد نہیں کیا آپ انہیں کیوں اسپتال لے گئیں اور شہزاد کیوں گھر میں رہے؟"

گل تھانے دار کے سوال پر چونک گئی لیکن اس نے بے ساختہ جواب دیا "میں انکل کو زخمی حالت میں دیکھ کر گھبرا بھی گئی اور دل گرفتہ بھی ہو گئی۔ میں نے جلدی جلدی انکل کو گاڑی میں لٹا دیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ انجن چلایا اور ایکسیلریٹر دبا دیا۔ جاتے جاتے میں نے شہزاد کو کہا' آپ گھر میں ہی رہیں اور بچوں کا خیال کریں۔ تھانیدار صاحب میں ڈاکٹر ہوں۔ ڈرائیونگ جانتی ہوں تو پھر انکل کو اسپتال لے جانے کی میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی تھی اور نہ ہی وہ کوئی اچنبھے والی بات تھی۔"

معاً شہزاد زور سے ہنس پڑا تو علمدار نے متحیر ہو کر پوچھا "شہزاد صاحب۔ آپ قہقہے مار کر کیوں ہنس رہے ہیں؟"

"اوجی' میں ہنسوں نہ تو روؤں؟" شہزاد نے جواب دیا اور چھت کو گھورنے لگا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور دوبارہ ہنسنے لگا۔ تھانیدار اس کی حرکتوں کو غور سے دیکھتا رہا جب کہ گل پر غموں کی بھادوں کی بھرن برسنے لگی۔

چند ثانئے ٹھٹھے لگانے کے بعد شہزاد نے افسردہ لہجے میں کہا "تھانے دار صاحب۔ کبھی مجرم بھی تھانے جاتا ہے۔ مجرم کو تو پولیس پکڑ کر تھانے لے جاتی ہے بھلا میں ندیم کو کیوں اسپتال لے جاتا' میں اور میں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھانے دار کے پلے کچھ نہ پڑا تو اس نے گل سے پوچھا "شہزاد صاحب کیا کہہ رہے ہیں' مجرم تھانے نہیں جاتا۔ مجرم کو تو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ گل صاحبہ' میں سمجھ نہیں پایا کہ ان باتوں سے شہزاد کا کیا مقصد ہے۔"

"جی شہزاد.....جی....."

"ہاں ہاں بتایئے گل صاحبہ۔"

"شہزاد صاحب ڈپریشن کے مریض ہیں۔ کبھی کبھی بہکی باتیں کر جاتے ہیں اور آج کل تو ٹرانکولائزر کا بھی استعمال کر رہے ہیں۔ شاید ٹرانکولائزر کے زیر اثر مہمل سی بات کہہ دی ہے۔"

"تم بکواس کر رہی ہو۔ میں ڈپریشن کا مریض نہیں ہوں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں' ندیم کو کسی غنڈے نے گولی نہیں ماری۔ ندیم کو گولی میں نے ماری ہے۔ میں نے" شہزاد نے آگ بگولا ہو کر کہا۔

"شہزاد صاحب۔ آپ بے تکی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ ندیم صاحب نے خود بیان دیا ہے کہ انہیں ایک غنڈے نے شوٹ کیا تھا۔ تو پھر آپ کی غلط بیانی کے کیا معنی ہیں۔ گل صاحبہ ٹھیک کہتی ہیں آپ ضرور ذہنی مریض ہیں۔ آپ کے دماغ میں تھوڑا بہت خلل ضرور ہے۔"

"میں ذہنی مریض نہیں ہوں۔ بلکہ آپ دونوں پاگل ہیں جو مجھے ڈپریشن کا شکار بتا رہے ہیں" شہزاد دھاڑا۔

"لیکن آپ نے ندیم کو کیوں شوٹ کیا' کیا کوئی خاندانی دشمنی تھی' ویسے اگر اس کی آپ کے ساتھ کوئی دشمنی وغیرہ ہوتی تو وہ آپ کے گھر نہ آتا۔" ملہدار نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ میرا باپ ہے۔"

"واہ بھائی واہ۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اس کے کہنے سے وہ آپ کا باپ تھوڑا ہی بن سکتا ہے۔ شہزاد سچ پوچھیں تو آپ واقعی ذہنی مریض لگتے ہیں" ملہدار نے تضحیک آمیز لہجے

میں کہا۔

"تھانے دار' بکواس مت کرو۔ میں نامی گرامی ڈاکٹر ہوں' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔" شہزاد نے غصے میں کہا۔

"اچھا بیگم صاحبہ' میں جاتا ہوں۔ میں یہاں آیا تھا کہ ندیم کے کیس کی کارروائی آگے بڑھاؤں لیکن یہاں آ کر تو مجھے لینے کے دینے پڑ رہے ہیں۔ ندیم ذرا سنبھل جائیں تو پھر کیس کی مکمل کارروائی شروع کروں گا۔ انشاء اللہ ندیم بہت جلد صحت ہو جائیں گے۔ ویسے میں جاتے جاتے اتنا ضرور نصیحت کرتے جاتا ہوں کہ آپ اپنے لال بھکڑ خاوند کا ضرور علاج کرائیں۔ اگر ان کا دماغی توازن ٹھیک نہ ہوا تو یہ جیل کی ہوا ضرور کھائیں گے۔ اگر ایک دفعہ یہ جیل میں چلے گئے تو پھر انہیں دن کو بھی تارے نظر آئیں گے" ملہدار تھانے دار نے شہزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گل کو نصیحت کی۔

"کیا کہا' مجھے لال بھکڑ کہا' پرلے درجے کے احمق تو تم خود ہو۔ جو میری زبان پر اعتبار نہیں کر رہے ہو" شہزاد غصے میں گرجا۔ ملہدار نے ٹوپی پہنی اور گل سے اجازت لے کر گھر سے باہر نکل آیا۔ شہزاد اول فول بکتا رہا اور چیختا رہا۔ "تھانے دار نے مجھے گرفتار کیوں نہیں کیا۔ وہ ہونق ہے' ہونق۔"

پھر وہ گرجتا برستا غصے میں اندر چلا گیا اور چند ثانئے کے بعد بپھرا ہوا باہر آیا اور گرجتے ہوئے بولا "گل میری ٹائی کہاں ہے' بسیار تلاش کے باوجود نہیں مل رہی' اسے زمین کھا گئی یا آسمان....یا تم نے کچرا ڈرم میں پھینک دی ہے۔"

"شہزاد صاحب۔ اپنے دماغ کے پیچ ٹائٹ کریں۔ ٹائی تو آپ کے گلے میں لٹک رہی ہے' بغل میں بچہ اور شہر میں ڈھنڈورا" گل نے طیش میں آ کر کہا۔

"او آئی سی" شہزاد نے شرمندہ ہو کر کہا اور چابی گھماتا ہوا باہر نکل گیا۔ گل کو شک ہوا تو وہ اس کے پیچھے بھاگی لیکن اس وقت تک وہ گاڑی پورچ سے نکال کر فرسٹ گیئر لگا چکا تھا۔ وہ لپکی' اس نے رکنے کی آواز دی لیکن وہ گاڑی بھگا لے گیا۔

گل بھی اس کے پیچھے باہر نکلی۔ خوش قسمتی کہ اسے ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹیکسی ڈرائیور کو آواز دی اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور ڈرائیور کو شہزاد کی کار کا پیچھا کرنے کے لئے کہا "ڈرائیور پلیز... میرا خاوند غصے میں کہیں جا رہا ہے۔ کہیں کوئی غلط قدم نہ اٹھا دے۔"

"اوکے میڈم' آپ فکر نہ کریں" ڈرائیور نے گل کو دلاسا دیا۔ لیکن ڈرائیور کو ٹیکسی بھگانے کی کوئی خاص ضرورت نہ پڑی کیونکہ پانچ منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہی شہزاد کی کار پولیس اسٹیشن میں گھس رہی تھی۔ گل نے بھی شہزاد کی کار کو پولیس اسٹیشن میں گھستے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

ملدار چند ثانئے پہلے ہی پولیس اسٹیشن پہنچا تھا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ شہزاد دھاڑتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا "تھانیدار۔ تم احمق ہو' مجھے گرفتار کرو۔ میں نے ہی ندیم کو شوٹ کیا ہے۔"

تھانے دار صاحب پہلے ہی غصے میں تھے۔ جب شہزاد نے تھانے میں آکر شور مچایا اور اسے احمق کہا تو اس نے اسے دو تین گھونسے رسید کئے اور گریبان سے پکڑ کر کمرے میں بند کر دیا اور اسے اپنے تھانیداری لہجے میں گالیاں دیتا ہوا بولا "ڈاکٹر شہزاد۔ یہ تمہارا گھر نہیں ہے' یہ تھانہ ہے۔ چند دنوں کے اندر تمہارا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا۔"

تھانے دار کا زوردار تھپڑ کھاتے ہی شہزاد کا دماغ ٹھکانے پر آگیا تھا۔ پھر تھانے دار نے اسے گریبان میں ہاتھ ڈال کر کھینچتے ہوئے اسے کمرے میں بند کیا تھا جس سے اس کا گریبان دریدہ ہو گیا تھا۔ جو اس کے لئے کسی عجوبے سے کم نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے تھانے دار کی گالیوں کا جواب نہ دیا اور خاموشی سے فرش پر بیٹھ گیا۔ فرش پر نہ بیٹھتا تو کرتا بھی کیا۔ وہاں تو کرسی نام کی کوئی شے تو تھی ہی نہیں۔ صرف کمرے کے ایک گوشے میں پھٹا ہوا کمبل پڑا تھا۔

دفعتاً گل تھانے میں داخل ہوئی اور رنج و غم کی چادر اوڑھے ہوئے بولی "تھانے دار صاحب۔ شہزاد صاحب کہاں ہیں؟"

"بی بی گل۔ میں نے اسے لاک اپ میں بند کر دیا ہے۔ اب اس کا علاج یہی ہے...

آپ خوش نصیب ہیں کہ ندیم نے آپریشن سے پہلے بیان دے دیا تھا کہ اسے ایک غنڈے نے شوٹ کیا تھا۔ اگر اب وہ جانبر نہ ہو سکا تو کم از کم آپ کا خاوند پھانسی لگنے سے بچ جائے گا۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ آپ کا خاوند پاگل ہو چکا ہے۔ اس کے پاگل ہونے کی کیا وجہ ہے اس سے مجھے سروکار نہیں۔ لیکن شہزاد کو بچانے کی خاطر اب اسے پاگل خانے میں رکھنا ہی پڑے گا۔"

"شہزاد پاگل خانے میں رہے گا؟" گل نے ورطہ حیرت میں مبتلا ہو کر پوچھا۔

"بی بی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ شہزاد کی امان چاہتی ہیں تو صبر کا کڑوا گھونٹ پی لیں' چند دنوں کے اندر اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھیں تو سہی وہ... وہ سلاخوں کے پیچھے کیسے چپ چاپ بیٹھا زمین کرید رہا ہے۔"

"ہائے میں مرجاواں" گل نے اپنے خاوند کو دیکھ کر لرزتے ہونٹوں سے کہا اور گھٹ گھٹ کر رو دی۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے آہستہ آہستہ اپنے گلابی ہونٹوں کو کھولا "کیا میں شہزاد سے مل سکتی ہوں؟"

"گل صاحبہ۔ بہتر ہے ابھی آپ اس سے نہ ملیں۔ ابھی قید کی بھٹی میں لوہے کو گرم ہونے دیں۔ جب اس کا دماغ گرم ہو کر ٹھکانے پر آجائے گا تو پھر اپنی فہم و فراست کا جادو جگائیے گا۔ ابھی ہمیں اپنی کارروائی مکمل کرنے دیں۔"

"اوکے۔ تھانے دار صاحب" گل نے شبنمی آنکھوں سے کہا اور دل گرفتہ واپس گھر آگئی۔

دوسرے روز شہزاد کو اس کے اسپتال کے سائیکالوجسٹ' نیورولاجیکل ڈاکٹر اور بورڈ کے دوسرے ڈاکٹروں نے پاگل قرار دے دیا وہ شور مچاتا رہا "میں تمہارا فیلو ڈاکٹر ہوں۔ احمقو سوچو' تم کسے پاگل قرار دے رہے ہو۔ لیکن اس کی کسی نے نہ سنی... وہ اس کی سنتے بھی کیسے۔ انہیں تو اپنے عزیز دوست کی زندگی عزیز تھی۔ تھانے دار ملدار اور گل کے کہنے پر انہوں نے اپنا فیصلہ دیا تھا۔ وہ اپنے دوست کو پھانسی کے پھندے سے بچانا چاہتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے روز شہزاد کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور اسے پاگل ثابت کرنے کے لئے گل بطور گواہ پیش ہوئی۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر اپنا بیان شروع کیا "سر۔ میرے خاوند کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔ یہ گھر میں بہکی بہکی...."

گل اپنا جملہ بھی نہ کرنے پائی تھی کہ ڈاکٹر شہزاد نے چلانا شروع کردیا "یہ' یہ سفلی جھوٹ بولتی ہے۔ یہ جھوٹی ہے' تھانے دار علمدار بھی جھوٹا ہے جھوٹا۔"

شہزاد کو پاگل ثابت کرنے کے لئے عدالت میں لایا گیا تھا۔ وہ ڈاکٹر تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ فہم وفراست سے کام لے کر اپنے آپ کو سچا ثابت کرتا لیکن اس نے تو اپنی چیخ دپکار سے عدالت کے در وبام کو لرزا دیا۔ جج نے پوری کارروائی کو مکمل کیے بغیر شہزاد کو پاگل قرار دے دیا۔ گل جج کا فیصلہ سن کر بلک بلک کر رو دی۔

شہزاد کی نیک نامی' تھانے دار علمدار اور اس کے فیلو ڈاکٹرز کی خیر خواہی کی بدولت شہزاد کو اپنے اسپتال کے دماغی سیکشن کے کمرے میں بند کر دیا گیا جہاں شروع شروع میں ڈپریشن کے شکار ہونے والے مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ جب اسے وارڈ بوائز کمرے میں بند کر رہے تھے تو وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "او گلو' او خانو' کم بختو میں تو تمہارے اسپتال کا مانا ہوا ڈاکٹر ہوں۔ مجھے پہچانو' مجھے چھوڑ دو' چھوڑ دو۔"

لیکن ان دونوں نے اسے اٹھا کر اندر پھینکا اور کمرہ بند کر دیا۔ اس کمرے میں پانچ مریض پہلے ہی بند تھے۔ اور زیر علاج تھے' وہ پاگل تھے۔ پاگل بنے ہوئے تھے یا انہیں پاگل بنایا جا رہا تھا۔ جب انہوں نے ایک نئے دوست کو اپنے وارڈ میں دیکھا تو وہ بھاگم بھاگ اس کی طرف آئے ان میں سے ایک نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا "او نئے پاگل۔ کیا تم سمندر کی تہ میں گھاس چرتی بھینس کو پکڑ کر لا سکتے ہو۔"

شہزاد حیران وپریشان ہو کر ان پاگلوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ ان میں سے کوئی اس پر حملہ نہ کر دے۔ وہ کچھ نہ بولا تو پاگلوں میں سے دوسرا پاگل ہنس کر بولا "ارے یار جانی۔ میں لالٹین لے کر جاؤں گا اور بھینس کو اٹھا کر لے آؤں گا۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ یہ ہمارا نیا پاگل یار بڑا نکھٹو ہے" تیسرا شہزاد کا گریبان پکڑ کر بولا۔

چوتھے نے شہزاد کے گریبان کو چھڑاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"تمہارے نئے دوست کیا تم درخت سے مچھلیاں پکڑ کر لا سکتے ہو؟"

پانچواں پاگل ٹھٹا لگا کر بولا "کیوں نہیں۔ میں ابھی مچھلیاں پکڑ کر لاتا ہوں۔ تم چولہا گرم کرو' بھوک سخت لگی ہے۔ مچھلیاں بھون کر خوب کھائیں گے اور جان بنائیں گے۔"

پھر پانچواں پاگل شہزاد کو درخت سمجھ کر اس پر چڑھنے لگا تو شہزاد نے زور سے اسے دھکا دے کر پرے پھینک دیا تو وہ اسے گالیاں دیتا ہوا اس کے گلے پڑ گیا۔ پھر پانچوں پاگلوں نے اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ پھر ان میں سے ایک پاگل اپنی انگلی اٹھا کر اس سے مخاطب ہوا

"نئے پاگل یار۔ اگر ہمارے ساتھ دوستی نہیں کرو گے اور ہمارے ساتھ پیار سے نہیں رہو گے تو دیکھو یہ چاقو تمہیں مار مار کر تمہارے پیٹ کی انتڑیاں نکال دیں گے۔"

"اچھا میرے پاگل یار مجھے معاف کر دو گے... تم سب میرے دوست ہو" شہزاد نے شدت درد سے تڑپتے ہوئے کہا اور وہ پانچوں پاگل قہقہے مارتے ہوئے اپنی اپنی چارپائی پر جا کر لیٹ گئے۔ شہزاد بھی بڑی مشکل سے اٹھا اور خالی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔

شہزاد کو بڑی سخت بھوک لگی تھی۔ لیکن وہ اسپتال کا کھانا نہ کھا سکا۔ رات کو بھی درد کے مارے کراہتا رہا۔ صبح ناشتا دینے گلو آیا تو وہ چاہت بھرے لہجے میں گویا ہوا "گلو!"

"ہاں ڈاکٹر صاحب؟"

"گلو۔ گھر بیگم صاحبہ کو فون کرو اور اسے کہو کہ میں اسے یاد کر رہا ہوں۔ وہ فوراً اسپتال آئے۔"

"اچھا ڈاکٹر صاحب!" پھر نصف گھنٹے کے اندر گل اسپتال پہنچ گئی تو شہزاد جس کا چڑچڑا پن جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا' کمرے کی سلاخوں کو پکڑ کر بولا۔

"گل۔ خدا کے لئے مجھے اس دوزخ سے نکال کر لے جاؤ۔ نہیں تو میں بھوکا پیاسا مرجاؤں گا۔"

"نہیں سرتاج۔ ایسا مت کہیں' آپ کو گھر لے جانے کی کوئی پرابلم نہیں بشرطیکہ آپ ندیم کو شوٹ کرنے کی رٹ لگانی چھوڑ دیں۔ ہاں مبارک ہو کل ہی شام علمدار نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطلاع دی تھی کہ انکل ندیم کو ہوش آگیا ہے اور اس نے ان کا بیان قلمبند کرلیا ہے۔ ندیم نے وہی بیان دیا ہے کہ انہیں کسی غنڈے نے شوٹ کیا تھا" گل نے بڑے پیار سے اپنے شوہر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے ندیم کے ہوش میں آنے کا سنا تو فرط فرحت سے بولا "شکر الحمدللہ۔ انکل ندیم کو ہوش آگیا۔ اب تو مجھے بھی ہوش آگیا ہے۔ انکل ندیم بچ گئے ہیں اور میں بھی تباہ ہونے سے بچ گیا ہوں۔ جلدی سے جاؤ اور میری رہائی کا بندوبست کرو۔"

" تھینکس گاڈ" گل نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگئی۔ سجدہ شکر بجا کرا ٹھی تو وہ سیدھی تھانے گئی۔ علدار تھانے دار کو پوری روداد سنائی اور پھر علدار کی چند گھنٹوں کی کارروائی کے بعد شہزاد کو مٹل اسپتال سے رہائی مل گئی۔ شہزاد رہا ہوتے ہی جذبات میں ڈوب کر گل کے گلے لگ گیا تو علدار ہنستے ہوئے بولا۔

"شہزاد صاحب۔ یہ گھر نہیں اسپتال ہے۔"

" علدار صاحب۔ گل میری بیوی ہے کوئی غیر نہیں" شہزاد نے گل کے سینے سے الگ ہو کر فرط مسرت سے جواب دیا۔

"اوکے شہزاد صاحب۔ اوکے 'نئی زندگی مبارک ہو۔"

علدار مبارک باد دے کر اپنی جیپ میں بیٹھا اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا جبکہ شہزاد اور گل سیدھے ندیم کے پاس اسپتال میں آگئے۔ ندیم ان دونوں کو دیکھ کر کھل اٹھا۔ وہ خوش گوار لہجے میں گویا ہوا۔ "زہے نصیب۔ میری بیٹی گل میرے بیٹے شہزاد کے ہمراہ میرے پاس آئی ہے۔ اللہ یہ جوڑی ہمیشہ آباد رکھے۔ یہ چمن کھلا رہے۔ اس پر ہمیشہ بہاریں رقص کرتی رہیں۔"

شہزاد بیٹے کا نام سن کر چونکا تو ضرور لیکن اس نے ندیم کو احساس نہیں ہونے دیا دھیمے لہجے میں پوچھا "انکل' آپ کیسے ہیں؟"

"بیٹا۔ اللہ کی رحمت اور آپ دونوں پھولوں کی دعاؤں سے ٹھیک ہوگیا ہوں۔"

"شکر الحمدللہ" گل اور شہزاد دونوں نے ایک ساتھ ہی کہا۔ اور تھوڑی دیر باتیں

کرتے رہے اور پھر وہ میٹھی بہاروں کو گلے لگا کر گھر آگئے۔

دوسرے دن جمعہ شریف تھا۔ موسم بھی نہایت سہانا تھا۔ نیلگوں آسمان پر چھوٹی چھوٹی بدلیوں کا راج تھا۔ وہ کبھی سورج کو اپنے دامن میں چھپا لیتیں اور کبھی اسے آزاد کردیتیں۔ انہیں چشمہ آفتاب کے ساتھ کھیلتے ہوئے بڑا لطف آرہا تھا۔ وہ صرف کھیلنے کے موڈ میں تھیں۔ چھم چھم برسنے کا ان کا قطعی موڈ نہ تھا۔

ایسے سہانے موسم میں گل نے پکنک کا پروگرام بنایا۔ پکنک کا سماں بھی تھا' کافی دنوں کے بعد اسے شہزاد کا بھرپور پیار ملا تھا۔ وہ بچوں کو بھی باپ کی چاہت اور شہزاد کو موسم کی رنگینیوں کی طمانیت سے نوازنا چاہتی تھی۔

گل کی پروپوزل کو سب نے خوشی خوشی قبول کیا اور موسم کی مناسبت سے لباس زیب تن کرنے میں مصروف عمل ہوگئے۔

چند منٹوں کے اندر شہزاد' گل اور دونوں بچے سمیر اور رباب کپڑے پہن کر تیار ہوگئے تو گل نے مناسب سمجھا کہ پکنک پوائنٹ کے متعلق بچوں سے معلوم کرلیا جائے۔ اس نے بڑے پیار سے سمیر اور رباب سے پوچھا "میرے پھولو۔ بتاؤ آج پکنک منانے کہاں چلا جائے؟"

"شالیمار باغ چلتے ہیں" سمیر نے کہا۔

"کیوں نہ مینار پاکستان کو پکنک پوائنٹ بنایا جائے" شہزاد نے لقمہ دیا۔

"اوجی۔ میں نے آپ سے نہیں پوچھا۔ میں تو بچوں سے پوچھ رہی ہوں۔ ویسے بھی پکنک کا لطف تو بچے ہی اٹھاتے ہیں' پکنک بچوں کے لئے ہوتی ہے" گل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے گل' تم ٹھیک کہتی ہو" شہزاد نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مینار پاکستان ٹھیک رہے گا" رباب نے کہا۔

"او۔ میں سمجھ گیا۔ باپ کی چہیتی بیٹی ہے ناں۔ اس لئے باپ کی پسند کو اپنی پسند بنادیا۔ بیٹی اپنی پسند بتاؤ" شہزاد نے اپنی بیٹی کی دائیں گلابی رخسار کو چومتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس روز تو شہزاد بہت زیادہ دانائی کی باتیں کر رہا تھا۔ اس کے جچے تلے جملوں کو سن کر گل باغ باغ ہو گئی تھی۔ اس نے مسرور لہجے میں رباب سے کہا "رباب۔ تمہارے ابو ٹھیک کہتے ہیں۔ پلیز اپنی پسند بتاؤ" گل نے کہا۔

"ابو کی پسند۔ میری پسند" رباب نے چہک کر جواب دیا۔

"بیٹی رباب' پلیز۔ اپنی پسند بتا دو۔ پلیز" شہزاد نے پیار سے رباب کو کہا۔

"میری بہن پلیز اپنی پسند بتاؤ" سمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر میں نے اپنی پسند بتا دی تو کیا تم میری پسند کو اپنی پسند سمجھ لو گے... تم شالیمار باغ دیکھنا چاہتے ہو اور میں..."

"ہاں ہاں' بولو بہن۔ بولو رباب تمہاری پسند کو میں اپنی پسند سمجھوں گا۔" سمیر نے پیار سے بہن کو کہا۔

"اوکے' تو پھر میں بتا دیتی ہوں۔ میں مقبرہ جہانگیر دیکھنا چاہتی ہوں" رباب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آہا۔ دلاں دا حال دل ہی جانے۔ میری بھی آرزو تھی کہ آج دو چاہنے والوں کے مزاروں کو دیکھ لیا جائے۔ میرا مطلب مقبرہ نورجہاں اور مقبرہ جہانگیر سے ہے۔ میری پیاری بیٹی نے میری پسند کو اپنی پسند بتا کر مجھے خوش کر دیا ہے" گل نے مسرور ہو کر کہا۔

"مجھے بھی اپنی بہن کی خواہش کا احترام ہے۔ اب جب کہ امی جان بھی جہانگیر کے مقبرے کو دیکھنا چاہتی ہیں تو پھر سمیر کو اعتراض ہو بھی کیسے سکتا ہے" سمیر نے اپنی بہن کو اپنی ننھی بانہوں میں لے کر کہا۔

اس روز شہزاد بھی ضرورت سے زیادہ خوش گوار موڈ میں تھا۔ سہانے موسم کا اثر تھا یا وقتی طور پر ندیم کو گولی مارنے کا عفریت اس کے سر سے اتر چکا تھا۔ وہ فضاؤں میں اپنی میٹھی تبسم بکھیرتے ہوئے گویا ہوا "میرے بچے... میرے پھول مقبرہ جہانگیر کو دیکھنا چاہتے ہیں' میرا گلشن مقبرہ جہانگیر کے ساتھ مقبرہ نورجہاں کو دیکھنا چاہتا ہے... ملکہ نورجہاں' شہنشاہ ہند کی خوبرو و فطین ملکہ تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹوٹ کر پیار کرتے تھے' یہ مقبرے ان

دونوں کی لازوال محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں' تو پھر کیا میں اپنی ملکہ کی ایک ننھی سی خواہش کا بھی احترام نہ کروں' کیوں نہ کروں۔ آج ہم گل کی آرزو کا احترام کرتے ہوئے پہلے مقبرہ نورجہاں اور بعد میں مقبرہ جہانگیر دیکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے" سمیر اور رباب دونوں نے اپنے باپ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو... تھینک یو' میرے گلشن کے گلو" شہزاد نے دونوں کو اپنے پہلوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔

"شرارتی بچو۔ تم دونوں باپ کے ساتھ مل گئے ہو۔ چلو اب پک نک منانے چلیں" گل نے دائیں ہاتھ سے سمیر کا بایاں کان اور اپنے بائیں ہاتھ سے رباب کا دایاں کان مروڑتے ہوئے کہا۔

وہ سب خراماں خراماں کار پورچ میں آئے۔ گل نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور سمیر و رباب کو پچھلی نشستوں پر بیٹھنے کو کہا اور مسکراتے ہوئے شہزاد سے محو گفتگو ہوئی۔

"شہزاد صاحب۔ آج کار میں ڈرائیو کروں گی۔"

"کیوں؟" شہزاد نے پوچھا۔

گل دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ "آج لمبی ڈرائیو کرنی ہے اور شہزاد اکثر آؤٹ آف مائنڈ رہتا ہے اگر خدانخواستہ شہزاد کا ڈرائیو کے دوران دماغ کا پیچ گھوم گیا تو کوئی حادثہ برپا ہو سکتا ہے۔ جس میں جانیں ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اللہ ایسا نہ کرے اس لئے آج ڈرائیو مجھے ہی کرنی چاہئے۔"

"اری گل۔ کس مخمصے میں پڑ گئی ہو۔ جواب کیوں نہیں دیتیں" شہزاد نے دوبارہ پوچھا۔

"اوجی۔ دراصل آج موسم بہت سہانا ہے' آج میرا جی کر رہا ہے کہ میں اس موسم کی رنگینیوں سے لطف اٹھاؤں اور کار ڈرائیو کروں" گل نے بہانہ بنایا۔

"اوکے۔ واپسی میں' میں ڈرائیو کروں گا" شہزاد نے ہنس کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تھینک یو شہزاد" شکریہ ادا کر کے گل چابی گھماتے ہوئے کار میں بیٹھی۔ چابی ڈال کر انجن اسٹارٹ کیا۔ ریورس گیئر پر کار کو پورچ سے نکال کر روڈ پر لائی۔ ایکسیلیٹر دبایا اور کار فراٹے بھرتی ہوئی اپنی منزل کی جانب دوڑنے لگی۔

سب سے پہلے انہوں نے ملکہ عالیہ کو دیکھا یعنی مقبرہ نور جہاں کو دیکھا۔ مقبرہ کو دیکھنے کے بعد انہوں نے شاہدرہ میں ایک اچھے سے ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر وہ مقبرہ جہانگیر دیکھنے لگے۔

مقبرہ جہانگیر کو دیکھنے کے بعد گل و شہزاد دم بھر کو ستانے کے لئے مقبرہ کے گوشے میں فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے جبکہ سمیر و رباب ادھر ادھر کھیلتے رہے۔

آسمان پر ہلکے سے بادلوں کا راج تھا جنہوں نے سورج کو اپنی قید میں لے رکھا تھا۔ مہکتی ہوا چل رہی تھی۔ ایسے مہکتے موسم میں شہزاد گل اور ان کے دونوں بچے بھی کھلے ہوئے تھے۔ لیکن گل تو کچھ زیادہ ہی مسرور تھی۔ اس کا باغبان جو کھلا تھا۔ جب سے ندیم کا دل خراش حادثہ ہوا تھا وہ مرجھایا مرجھایا رہتا تھا لیکن اس روز وہ میٹھی میٹھی باتیں بھی کر رہا تھا اور ان سب کو بھرپور پیار بھی دے رہا تھا۔

پھر گل کیوں نہ خوش ہوتی وہ خوش تھی' بہت خوش تھی۔ وہ اپنے شادابی ہونٹوں پر رسیلی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے گویا ہوئی "شہزاد!"

"ہاں ملکہ عالیہ!"

"آج میں بہت خوش ہوں۔"

"خوش تو میں بھی بہت ہوں۔"

"آپ کیوں خوش ہیں؟" گل نے خمار زدہ انگڑائی لیتے ہوئے پوچھا۔

"او' جانی۔ یہ گھر نہیں ہے یہ مقبرہ جہانگیر ہے۔ اس جگہ دل کو چیرنے والی اداؤں کی تشہیر مت کرو جہاں میں خوش اسلوبی سے تو کجا مردہ دلی سے بھی دل نہ سی سکوں۔"

"تو دل کو گھر جا کر بخیہ لگا لینا" گل نے خندہ روح افزا کے ساتھ کہا۔

"او جان من۔ مجھے مشورہ دینے کی ضرورت نہیں۔ آج تو میں نے دل کو ٹانکے لگانے

ہی ہیں۔ آج تو میٹھی رات کا ابھی سے انتظار... انتظار کر رہا ہوں۔"

"اوکے۔ وہ رس بھرے لمحات آئیں گے تو دیکھیں گے۔ پہلے یہ تو بتاؤ کہ آج آپ مسرتوں کی ندی میں ضرورت سے زیادہ کیوں ڈبکیاں لگا رہے ہیں" گل نے شوخ آنکھوں کو گھما کر پوچھا۔ "ارے... ارے شہزاد... خدا کے لئے اپنے حشر سامانیوں کی بجلی میرے دل کے نشیمن پر مت گراؤ اگر بجلی گری نشیمن پر تو دل آگ سے بھڑک اٹھے گا۔ دل بھڑک اٹھا تو پھر دل کی ملکہ کی خیر نہیں... اور یہ سے ملکہ عالیہ کو سزا دینے کا مناسب نہیں... پلیز جو کچھ مجھ سے پوچھنا ہے' آنکھوں کو جھکا کر اور ہونٹوں کو سی کر پوچھو۔"

"ہائے میں مرجاواں شہزاد۔ اگر میں نے ہونٹوں کو سی لیا تو پھر میں باتیں کیسے کروں گی" گل نے استعجاب کا پیراہن پہن کر کہا۔

"یہ ہوئی نا بات... سوال جواب کرنے کا تمہارا یہ انداز مہذبانہ ہے۔ اسی انداز سے پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے؟"

"تو ہاں۔ میں پوچھ رہی تھی کہ آج آپ ضرورت سے زیادہ خوش کیوں ہیں؟"

"اری۔ اری ہونق۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتی ہو کہ آج میں ضرورت سے زیادہ خوش ہوں۔ اری پگلی آج میں مقبرہ جہانگیر میں بیٹھا ہوں۔ یہاں وہ شہنشاہ مدفون ہے جو شہنشاہ محبت بھی تھا۔ اسے ملکہ نور جہاں سے لازوال محبت تھی۔ ان دونوں کی بے نظیر محبت کا اثر ہے کہ آج مجھے بھی اپنی ملکہ پیکر محبت' سراپا حسن' سرتاپا عظمت لگ رہی ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج میں جھوم جھوم کر اپنی ملکہ عالیہ کے گیت گاؤں.. اور اس کے سب سے قیمتی موتی کے چکا چوند حسن سے اپنے دل کو منور کر لوں لیکن وہ سے' وہ سے کب آئے گا۔ کب سورج ڈوبے گا۔ کب ملگجی اندھیرا پھیلے گا۔ کب سرمئی اندھیرا اپنی چادر تانے گا اور کب میں اپنے دل کو ٹھنڈا کروں گا۔"

"اچھا جانی۔ اب اپنے مچلتے ہوئے جذبات کو قابو میں کر لو اور خاموش ہو جاؤ۔ رباب اور سمیر ہمارے پاس پہنچنے ہی والے ہیں۔" گل نے اپنے نچلے ہونٹ کو دانت تلے دباتے ہوئے اور شہزاد کے گرم گرم احساسات کو الٹی چھری سے ذبح کرتی ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آہ بے چارہ شہزاد اپنی گل کی کافرادا پر صرف ٹھنڈی آہ ہی بھر سکا لیکن اپنے دل پر لگی ہوئی چوٹ کا جواب نہ دے سکا۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ ہی اس کے کانوں میں رباب اور سمیر کی فرحت آمیز آواز آئی۔ "ڈیڈی اور ممی... آج خوب انجوائے کرلیا' اب گھر چلیں۔"

"بچو۔ میں تو تیار ہوں گھر چلنے کو' لیکن ذرا ڈیڈی سے بھی پوچھ لیں" گل نے رباب اور سمیر کو چومتے ہوئے کہا۔

"ہاں ابو۔ میرے ابو' آپ کا کیا خیال ہے؟" رباب اور سمیر دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"میرے پھولو۔ میرے چمن کے رنگین گلو' اس پر بہار فضا میں فرحت بھری' مہکتی اور کھلتی ہوئی رنگینیوں سے جدا ہونے کو دل تو نہیں چاہتا۔ لیکن میں آپ سب کی آرزو وتمنا کو ٹھکرا بھی نہیں سکتا لیکن گھر جانے سے پہلے ہم کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔" شہزاد نے گل کی طرف اشارہ کرکے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"آہا۔ تجلیات اور انوار کی بارش ہو رہی ہو تو بھلا ہم فیض یاب ہونے سے کیوں محروم رہیں گے" گل نے کھل کر کہا۔

"ہم بھی ممی کے آئیڈیا کو سیکنڈ کرتے ہیں" رباب اور سمیر نے بھی کہا۔

پھر وہ انٹر کانٹینٹل ہوٹل گئے۔ ڈنر کھایا پھر تھکے تھکے گھر پہنچے۔ سمیر اور رباب تو گھر آتے ہی اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے اور پلک جھپکتے ہی سو گئے۔ جب کہ شہزاد نے تھکی لیکن کھلی گل کو اپنے مضبوط بازوؤں میں لے کر اوپر اٹھایا اور اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے گویا ہوا "میرے گلاب کے پھول۔ میرے دل کو مہکانے والے پھول۔ میرے چاند میرے دل کو ٹھنڈک پہنچانے اور فیروزاں کرنے والے بدر... تیرے ہوتے ہوئے نقلی تجلی کی کیا ضرورت ہے جب تیرے چمکتے حسن سے کمرے میں نور ہی نور برس رہا ہو تو پھر رنگین قمقمے کی بھی ضرورت نہیں۔"

شہزاد نے خمار بھری انگڑائی لی اور مدھم روشنی کا بلب بھی آف کردیا۔ اور اپنی زندگی

کے بلب کی سرور انگیز روشنی سے اپنے دل کو منور کرلیا۔

امواج تلاطم تھما تو شہزاد نے زیرو بلب روشن کردیا اور گل کے ساتھ لیٹ گیا۔ چند ثانئے کے بعد گل شہزاد کے گھنے بالوں میں اپنی مخروطی انگلیاں گھماتے ہوئے بولی "سرتاج۔ میرے سرتاج!"

"ہاں... گل!"

"ہمارے چمن کے بہت ہی خوبصورت دو پھول ہیں۔ ان پھولوں کو اپنے ڈیڈی کی سخت ضرورت ہے اور مجھے بھی۔ اللہ کرے' آپ کی زندگی ستاروں جتنی ہو۔ لیکن اگر چار ستاروں کی کہکشاں میں آپ کی روشنی مدھم پڑ گئی تو پھر ہم سب کے دلوں میں بھی تیرہ وتار اندھیرا چھا جائے گا۔ خصوصاً سمیر اور رباب تو بالکل بجھ جائیں گے۔ آپ قوم کے مسیحا اور میرے مجازی خدا ہیں۔ آپ یک سوئی کے ساتھ قوم اور کشور کی خدمت کریں اور مجھے محبت کی مالا پہنائیں۔ انکل ندیم ہمارے لئے عظمت کے مینار ہیں۔ وہ آپ کے ڈیڈی کے جگری یار ہیں۔ وہ کیا ہیں اور کیا نہیں! واللہ اعلم بالغیب' غیب کا علم اللہ ہی جانتا ہے۔ اگر انہوں نے رسمی یا غیر مرئی طور پر آپ کو بیٹا کہہ دیا تو ان کے کہنے سے آپ ان کے سگے بیٹے تو نہیں ہوگئے۔ لیکن انکل بھی ڈیڈی کے جگہ ہوتے ہیں۔ شہزاد پلیز! آپ بچوں کے درخشندہ مستقبل کے لئے اپنی انا کا خول اتار دیں اور انکل ندیم سے پیار کریں۔ انکل ندیم ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئے ہیں انہوں نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔ اگر وہ صحیح بیان دے دیتے تو آپ اب تک جیل میں بند ہوتے۔ انکل ندیم گریٹ ہیں۔ انہوں نے آپ کو بچالیا ہے اور آپ کو زریں موقع فراہم کیا ہے تاکہ آپ حیات مستعار سے فائدہ اٹھا کر اپنے بیوی بچوں کو حیات بخش خوشیاں بہم پہنچائیں۔"

گل نے چاہت ونصیحت بھرے انداز میں اپنے مجازی خدا کو سمجھایا۔ شہزاد ہنسیاں بکھیرتے ہوئے مدھ بھری آواز میں بولا "میں اپنی گل کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا' میں کل ہی اسپتال جاؤں گا اور ندیم انکل سے اپنی گستاخی اور بدسلوکی کی معافی مانگوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے معاف کردیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تھینک یو۔ میرے گریٹ ... گریٹ ہسبنڈ" گل نے شہزاد کے سینے سے لگ کر کہا اور پھر ان دونوں کو گہری نیند نے اپنے حسین جال میں جکڑ لیا۔

شہزاد کو انکل ندیم سے معافی مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ حسب معمول وہ دونوں میاں بیوی صبح اٹھے۔ نہا دھو کر ناشتے کی میز پر بیٹھے۔ تھوڑی دیر ہی انہیں ناشتہ کرتے گزری تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو۔ شہزاد اسپیکنگ" شہزاد نے فون اٹھایا۔

"میں اسپتال سے ڈاکٹر فصیح بول رہا ہوں۔"

"جی فرمایئے؟"

"ندیم صاحب نے خودکشی کر لی ہے۔"

"او مائی گاڈ" شہزاد نے دل گرفتہ ہو کر کہا۔

"کیا ہوا؟" گل نے پوچھا۔

"انکل ندیم نے خودکشی کر لی ہے" شہزاد نے گل کو جواب دیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر فصیح سے پوچھا "ڈاکٹر۔ کیا انکل کو بچا لیا گیا ہے؟"

"سوری شہزاد۔ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔"

"افوہ۔ انکل مر گئے" شہزاد کے منہ سے نکلا اور فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

انکل ندیم کی موت کی خبر سن کر شہزاد اور گل دونوں کے دل مرجھا گئے ان کی آنکھوں میں شبنمی قطرے تیرنے لگے۔ انہوں نے گاڑی نکالی اور سیدھے اسپتال چل دیے۔ انکل ندیم کی ڈیڈ باڈی کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بپھرے ہوئے سیلاب کے بند ٹوٹ گئے۔ گل نشاط کو گلے لگا کر خوب روئی۔

شہزاد نے قناعت کا لباس زیب تن کر کے گل کو بھی دلاسا دیا اور اجڑی ہوئی نشاط کے دل میں بھی آس اور امید کے دیپ جلائے۔

ندیم کے چہلم پر رخشندہ اور نوید دونوں پاکستان آئے۔ نوید کی بیوی نورین امریکا میں ہی رہی کیونکہ ان دنوں اس کے بچوں کے امتحان ہو رہے تھے۔ وہ زور و شور سے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔

نشاط اپنی سوکن رخشندہ کو ریسیو کرنے ائرپورٹ پر موجود تھی۔ جونہی رخشندہ لاہور کے بین الاقوامی ہوائی اڈے سے باہر آئی تو نشاط والہانہ انداز سے اس کی طرف بڑھی اور اسے سینے سے لگا کر زار و زار رونے لگی۔ رخشندہ کی فرط غم سے چیخ نکل گئی۔ اسد ندیم کا جگری یار جو نشاط اور اس کی امی نسرین کے ساتھ گیا تھا تاکہ انہیں رخشندہ کو پہچاننے میں دقت و پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ صبر کی چادر اوڑھے بولا "رخشندہ... نشاط.. پلیز دونوں صبر کرو۔ صبر کرو' آنسوؤں کے سیلاب کو صبر و عزم سے روک لو۔ یہ ائرپورٹ ہے' تم دونوں ہر ایک کی نگاہ کا محور بن چکی ہو لہٰذا اس وقت رونا دھونا بند کرو۔ چلو دونوں گاڑی میں بیٹھو۔ گھر پہنچو گی تو پھر خوب رو لینا۔ اشکوں کے سیلاب کے بند کو توڑ لینا۔"

نوید نے بھی ممی اور سوتیلی ممی کو سمجھایا اور وہ سب قناعت کی چادر میں اپنے اپنے غموں کو لپیٹ کر گھر پہنچے تو رخشندہ' نشاط دونوں کی آنکھوں میں امنڈنے والے سیلاب کے بند ٹوٹ گئے اور آنسو چھم چھم برسنے لگے۔ ان کی چیخوں سے' دردناک چیخوں سے گھر کے در و بام لرزنے لگے۔ اسد' نوید اور نسرین کی آنکھوں سے بھی موتی برسنے لگے' آسمان بھی شبنم افشانی کرنے لگا اور مینہ زور زور سے برسنے لگا۔

مینہ بلیوں برسا۔ بادل چھٹ گیا۔ سورج نے چہرا نکالا اور چہار سو اجالا بکھر گیا۔ بعینہٖ رخشندہ و نشاط کا عین خوب رویا۔ دل کا غبار بیٹھ گیا تو ان دونوں کے دلوں کو سکون مل گیا۔

نشاط رومال سے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولی "باجی جی۔ آپ بیٹھیں' میں چائے لاتی ہوں۔ چائے کے بعد پھر کھانا کھائیں گے۔"

"نشاط۔ تم نے نوکرانی نہیں رکھی ہوئی کہ تم خود چائے بنانے کے لئے جاؤ گی" رخشندہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"باجی جی۔ نوکر بھی تھا اور نوکرانی بھی تھی۔ نوکر مرنے کے قتل کے الزام میں حوالات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بند ہے اور خادمہ جو اس کی بیوی تھی' ہم نے اسے نکال دیا۔ قاتل نوکر کی بیوی کو ملازم رکھنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے' ٹھیک ہے نا باجی۔"

"ٹھیک تو ہے۔ لیکن دوسری ملازمہ ابھی تک کیوں نہیں رکھی؟"

"منے کا قتل ہو جانا' پھر سرتاج کا اسپتال میں داخل ہونا اور ان کے اقدام خودکشی نے موقع ہی نہیں فراہم کیا کہ کسی نوکرانی کا بندوبست کیا جائے۔ ویسے بھی اچھی نوکرانی کا ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اچھا باجی جی' میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

چند منٹ کے اندر نشاط چائے بنا کر لائی۔ چائے پینے کے بعد اسد تو اجازت لے کر چلا گیا اور نوید و رخشندہ ستانے کے لئے لیٹ گئے جبکہ نشاط اپنے پیارے مہمانوں کا کھانا پکانے میں جت گئی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد نشاط اور نسرین دکھ سکھ کی باتیں کرنے میں لگ گئیں جبکہ نوید سونے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ لمبے سفر کی تھکان سے نڈھال ہو چکا تھا۔

معاً اطلاعی گھنٹی بجی' نشاط گھبرا کر بولی "باجی۔ اس وقت کون ہمارے گھر آسکتا ہے۔ رات کے سمے' ہائے اللہ خیر کرے۔ کوئی چور ڈاکو نہ ہو' آج کل تو ڈاکوؤں کا راج ہے۔ قتل' ڈکیتیاں اور چوریاں عام ہو رہی ہیں۔ انسانیت و شرافت کا تو نام و نشان مٹ گیا ہے۔ نفسانفسی کا دور دورہ ہے۔ ہر ایک انسان دوسرے کی جیب صاف کرنے میں لگا ہے۔ کوئی کسی کے حقوق کا لحاظ نہیں کرتا۔ سرعام عورتوں کی عزتیں نیلام ہو رہی ہیں۔ کوئی قانون نہیں کوئی انصاف نہیں۔ اللہ جانے کب پاکستانی اسلام کے زریں اصولوں پر عمل کریں گے۔ کب پاکستان اسلام کا قلعہ بنے گا۔ کب چوریوں' منہ زوریوں اور گوناگوں برائیوں کا قلعہ قمع ہو گا؟ اور کب ہم آرام و سکون کی نیند سو سکیں گے۔"

نشاط اپنے دل کی بھڑاس نکالے جا رہی تھی کہ پھر گھنٹی بجی تو نشاط ورطہ حیرت میں ڈوب کر بولی "ہائے اللہ۔ اب کیا ہو گا۔ نوید تو سو گیا ہے' امی بھی شاید اپنے کمرے میں سو چکی ہوں گی۔ رہ گئیں باجی اور میں تو ضرور سب سے پہلے ڈاکو ہماری گردن اڑائیں گے ...اور پھر' اللہ نہ کرے..."

ابھی نشاط خوف میں مبتلا ہو کر بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی کہ رخشندہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "نشاط ڈرو نہیں۔ کچھ نہیں ہو گا۔ میں خود دروازہ کھولتی ہوں۔"

رخشندہ گھر کا صدر دروازہ کھول کر صحن میں آئی اور اللہ کا نام لے کر آہنی گیٹ کا دروازہ کھولا تو اس نے سوٹ میں ملبوس ایک شخص کو دیکھا جو خوبصورت اور دراز قد تھا۔ اس کے چہرے سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ مہذب و شریف ہے۔ رخشندہ نے مدہم لہجے میں اس سے پوچھا۔ "فرمایئے؟"

"السلام علیکم میڈم۔"

"وعلیکم السلام۔"

"میڈم معاف کیجئے گا۔ میں نے رات کے وقت آپ کو زحمت دی ہے لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی حقیقت پر پردہ اٹھانا رات کو ہی موزوں ہوتا ہے۔ میں ڈاکٹر فصیح ہوں' میں نے ندیم کا آپریشن کیا تھا۔ میں ندیم کے سلسلے میں نشاط سے بات کرنے آیا ہوں' نشاط کہاں ہے؟"

"آیئے۔ ڈاکٹر صاحب اندر آیئے۔"

نشاط جو صدر دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی اور بے چینی سے رخشندہ کا انتظار کر رہی تھی' اس کے ساتھ ڈاکٹر فصیح کو دیکھ کر گھبرا گئی لیکن اس نے اپنی سراسیمگی کا اظہار نہیں ہونے دیا اور مسکراتے ہوئے ڈاکٹر کو ویلکم کیا۔ "آیئے ڈاکٹر فصیح صاحب.... زہے نصیب آپ ہمارے غریب خانے میں تشریف لائے ہیں۔"

"ایک ضرورت آپ کے پاس لے آئی ہے" ڈاکٹر نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب آیئے نا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں" رخشندہ نے کہا۔

"اوکے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"بائی دی وے' آپ کون ہیں؟" ڈاکٹر فصیح نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی رخشندہ سے پوچھا۔

"جی۔ میں بدقسمت ندیم مرحوم کی بڑی بیوی ہوں۔ میں' میں گائنالوجسٹ ہوں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیوسٹن امریکا میں ایک بہت بڑے کلینک میں کام کرتی ہوں۔ ندیم مغفور کے مرنے پر تو بوجوہ نہ آسکی لہٰذا اب چہلم پر آئی ہوں۔"

"او۔ آئی سی۔ آپ سے ملاقات ہوجانے پر میں بہت خوش ہوں ہوں۔ آپ سے مل کر اس لئے بھی خوش ہوں کہ اب مجھے اپنے مقصد میں کامیابی صاف نظر آرہی ہے۔ آپ پڑھی لکھی خاتون ہیں' آپ ضرور میرے کیس میں وکالت کریں گی۔"

"کون سا کیس؟ ذرا میں جانوں تو سہی" رخشندہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں" ڈاکٹر فصیح نے کہا۔ اور وہ رخشندہ کو محو گفتگو بنا کر گویا ہوا۔

"نشاط صاحبہ۔ آج میری خادمہ رضیہ عرف نسین جو آپ کی ملازمہ بھی رہ چکی ہے' بہت افسردہ و مغموم تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب تھمتا ہی نہیں تھا۔"

نسین کا نام سن کر نشاط بھی چونکی۔ ڈاکٹر فصیح نے اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نشاط صاحبہ۔ آپ یقیناً نسین کا نام سن کر ششدر رہ گئی ہیں لیکن آپ میرا کیس پورا سنیں گی تو پھر سراسیمہ بھی ہوں گی اور افسردہ بھی۔ تو ہاں' میں کہہ رہا تھا کہ نسین بہت افسردہ تھی میرے استفسار پر اس نے بتایا۔ ڈاکٹر صاحب میرا شوہر دلبر مان گیا ہے کہ اس نے ہی منے گوہر کو قتل کیا ہے۔ اب اسے پھانسی ہوجائے گی تو میں کدھر جاؤں گی۔ میرا تو کوئی رشتے دار بھی نہیں۔ میرا دلبر کے سوا کوئی غمگسار نہیں۔ وہ پھانسی چڑھ جائے گا تو میں بھی خودکشی کرلوں گی۔"

رخشندہ کو اس امر کا علم تھا کہ منے کو قتل کس نے کیا تھا۔ قاتل نے خود یعنی ندیم نے فون پر اعتراف جرم کیا تھا۔ دلبر کے اعتراف قتل کا سن کر وہ مضمحل تو ہوگئی لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔

ڈاکٹر نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا "لیکن میں نے نسین کو بتادیا ہے کہ منے کا قاتل اس کا شوہر دلبر نہیں ہے۔ کوئی اور ہے۔"

"تو پھر کون قاتل ہے؟" رخشندہ اور نشاط دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

"منے کا قاتل... قاتل ندیم ہے۔"

"باپ اپنے بیٹے کو کیوں قتل کرے گا' باپ بیٹے کو قتل نہیں کرسکتا" نشاط اور رخشندہ نے ندیم کا دفاع کیا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا کہ باپ نے بیٹے کو قتل کیوں کیا لیکن اتنا میں ضرور جانتا ہوں کہ ندیم نے منے کے قتل کا اعتراف کیا تھا۔ میں جب اسے آپریشن تھیٹر لے جارہا تھا تو وہ ہکلاتے ہکلاتے کہہ رہا تھا۔ میں نے منے کا قتل کیا ہے۔ میں نے منے کے ناک اور منہ پر تکیہ رکھ کر دبایا تو اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اور پاؤں زور سے ہلے اور ساتھ ہی وہ بے جان ہوگیا۔ میں قاتل ہوں' اس لئے میں نے اپنے آپ کو بھی گولی ماری ہے کیونکہ میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا تھا۔"

معالسرین بھی ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ اس نے ڈاکٹر کے منہ سے سن لیا تھا کہ منے کا قاتل ندیم ہے۔ وہ استعجاب و تاسف سے بولی "نہیں' یہ جھوٹ ہے' یہ بہتان ہے' ندیم تو منے کی پیدائش پر بہت مسرور تھا۔ وہ منے کو دیکھنے ہی پاکستان آیا تھا۔ پھر ایک رات' فقط ایک رات میں کون سا حادثہ رونما ہوگیا کہ اس نے اپنے بیٹے کو قتل کردیا۔"

نشاط' جو یہ تو جانتی تھی کہ منے کا باپ ندیم نہیں ہے اور ندیم کو اس عنصر کا علم نہیں تھا' دل گرفتہ ہو کر گویا ہوئی "ندیم مغفور اپنے بیٹے کا قاتل نہیں ہوسکتا۔ اسے تو برسوں کے بعد اللہ نے چاند سا بیٹا دیا تھا۔ وہ بیٹے کی پیدائش کی خبر سن کر پھولا نہیں سماتا تھا اور اپنے بیٹے کا جنم دن منانے پاکستان آیا تھا۔ وہ ائرپورٹ سے سیدھا ہمارے ساتھ جھومتا جھامتا گھر آیا تھا۔ رات اس نے بہاروں کے موسم میں بہاروں کی لہروں کے ساتھ لہراتے گزاری تھی۔ تو پھر اس کے جسم میں عفریت کہاں سے داخل ہوگیا۔ کیسے داخل ہوگیا کہ اس نے اپنے جگرپارے کو مار دیا۔ یہ جھوٹ ہے' سراسر بہتان ہے۔"

رخشندہ کو دلخراش حقیقت کا پتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ منے کا قاتل ندیم ہی ہے لیکن وہ اداس سوچوں میں مستغرق تھی۔ "منے کی قاتل میں ہوں' میں نے ندیم کو بھڑکایا' میں نے ندیم کو طعن و تشنیع کے دام میں جکڑا۔ اگر میں ندیم کو نہ بھڑکاتی تو نہ وہ میڈیکل چیک اپ کراتا اور نہ منے کو قتل کرتا۔ میں ہی قتل کی محرک ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ ندیم قاتل ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لہٰذا میرا فرض بنتا ہے کہ میں گھر کے بے گناہ نوکر دلبر کو بچا کر اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرلوں۔"

تو رخشندہ نے غموں کا ہار پہن کر دونوں ماں بیٹی سے کہا "جب ندیم نے مرنے سے پہلے بتادیا تھا کہ وہ منے کا قاتل ہے۔ تو پھر اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہتی کہ منے کا قاتل ندیم ہے۔"

"تم ضرور پاگل ہوگئی ہو۔ جب ہی ڈاکٹر فصیح کی حمایت کررہی ہو۔ تم کیسے جانتی ہو کہ ڈاکٹر فصیح سچ بول رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے رشوت لے کر دلبر کو بچانے کا ڈھونگ رچایا ہو۔" نشاط اور نسرین دونوں نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

"میں پاگل سہی' لیکن اب ضروری ہے کہ میں حقیقت سے پردہ اٹھاؤں۔ سنو اور غور سے سنو" رخشندہ نے طیش میں آکر کہا اور انہیں ندیم اور اپنی تمام سرگزشت سنادی اور پھر روہانسی ہو کر بولی "اب تم تینوں مجھ سے ضرور اتفاق کروگے کہ منے کی قاتل میں ہوں' میں قاتل ہوں' اگر میں ندیم کو غلط لائن پر نہ لگاتی اور اسے یہ کہہ کر طیش نہ دلاتی کہ وہ منے کا باپ نہیں ہے تو وہ منے کو کبھی قتل نہ کرتا' میں قاتل ہوں' میں قاتل ہوں۔"

اور پھر رخشندہ گڑگڑا کر رو پڑی۔ نشاط نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا "باجی جی' مت روئیں۔ آپ ہمارے گھر فرشتہ رحمت بن کر آئی ہیں۔ آپ نے سچ بول کر ہمیں گناہوں کی ندی میں ڈوبنے سے بچالیا ہے' ایک بے گناہ کو سولی پر لٹکنے سے بچالیا ہے۔ آپ گریٹ ہیں' باجی گریٹ۔"

ڈاکٹر فصیح نے بھی مسرور ہو کر کہا "رخشندہ بہن' تم واقعی گریٹ ہو' تم نے دلبر کو پھانسی پر چڑھنے سے بھی بچالیا اور نسیں کے پھٹے ہوئے دامن کو بھی بخیہ لگادیا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر بھائی اب آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ اس راز کو راز رہنے دیں اور اس کے بخیے نہ ادھیڑیں اور نسیں پر بھی افشانہ کریں" رخشندہ نے گہری سوچ میں ڈوب کر کہا۔

"رخشندہ بہن' قاتل تو ویسے ہی منوں مٹی کے نیچے دفن ہے لہٰذا مجھے بخیے ادھیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو ہمیں دلبر بے چارے کو پھانسی کے پھندے سے بچانا ہے' دلبر کے قاتل ہونے کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہے اور نہ ہی اب تک کسی نے گواہی دی ہے' استغاثہ

تو آپ کو کرنا ہے۔ ایسے میں اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں دلبر کو شک کا فائدہ دے کر اسے پھانسی پر چڑھنے سے بچالوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں" رخشندہ نے جواب دیا لیکن نشاط چپ رہی۔

"نشاط۔ آپ بھی مجھے اجازت دیں تاکہ میں ایک بے گناہ آدمی کو پھانسی کے پھندے سے بچاکر نیک نام کمالوں' ہوسکتا ہے کہ اس کے طفیل اللہ میرے گناہوں کو معاف کردے۔"

"تو پھر ایک اور ثواب کا کام بھی کردیں۔ اللہ میری دعاؤں کے طفیل بھی آپ کو ضرور اجر دے گا اور میری طرف سے پیشگی اجر غیر ممنون قبول کیجئے۔ میرا تشکر قبول کیجئے" نشاط نے مسرور ہو کر کہا۔

"نشاط صاحبہ۔ پہلے کام تو بتایئے۔ میں ضرور آپ کا کام کروں گا۔" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کام مشکل ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ جب آپ سے وعدہ کرلیا تو پھر کام آسان ہو یا مشکل... میں ضرور کروں گا۔"

تو پھر کل صبح عدالت میں جانے اور حلفیہ بیان دینے سے پہلے نسیں کو ہمارے گھر چھوڑ جایئے گا۔ وہ ہماری ملازمہ ہے' اسے میرے سرتاج مرحوم نے رکھا تھا۔ اب وہ زندگی بھر ہمارے گھر میں ہی رہے گی اور جب دلبر رہا ہو جائے گا تو ہم اسے بھی گھر لے آئیں گے' وہ بھی اپنے آقا مرحوم کے سرونٹ کوارٹر میں رہ کر خوش رہے گا' اسے اپنی رضیہ عرف نسیں بھی مل جائے گی اور سرونٹ کوارٹر کے روپ میں ایک سائبان بھی۔ اور ہمیں ایک وفادار ملازم بھی مل جائے گا۔ اس وقت مجھے پیکر وفا خادم کی سخت ضرورت ہے۔ مجھے اپنی بھرپور زندگی اب تنہا ہی گزارنی ہے۔ مجھے اپنے جذبات' احساسات' خواہشات کے سیل رواں کے آگے ایک پختہ و شائستہ بند تعمیر کرانا ہے۔ نشاط نے مضمحل لہجے میں کہا۔

رخشندہ نے اپنی معصوم بہن کے انمول آرزو پر اسے چوم لیا اور ڈاکٹر فصیح نے اسے داد و توصیف سے نوازا اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ ڈاکٹر فصیح کے جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد رخشندہ نے پوچھا "نشی۔ شہزاد ہمیں ائرپورٹ ریسیو کرنے کیوں نہیں آیا۔ اللہ خیر کرے وہ کہیں بیمار تو نہیں ہے۔"

"باجی جی۔ شہزاد کے بارے میں تو میں آپ کو بتانا بھول ہی گئی۔ سرتاج مرحوم کے اللہ کو پیارا ہونے کے بعد اس نے اور اس کی بیوی نے میری ہر ممکن مدد کی۔ مجھے احساس تنہائی کا شکار نہیں ہونے دیا۔ مجھے وہ دونوں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مجھے آنٹی آنٹی کہہ کر تھکتے نہیں۔ شہزاد تو کبھی کبھی چھوٹی امی بھی کہہ دیتا ہے اگرچہ کہ وہ میرا ہم عمر ہی ہے۔ وہ ائرپورٹ اس لئے نہیں آیا تھا کہ وہ ندیم مرحوم کے چہلم کے انصرام میں ہمہ تن مصروف تھا۔ اس کی ضد تھی کہ چونکہ ندیم مغفور اس کے پدر مرحوم کے جگری یار تھے اس لئے وہ ان کا چہلم خود کرے گا۔ چہلم کے تمام اخراجات وہ خود برداشت کرے گا۔ میں نے اس کی چاہت و خلوص کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی ننھی سے آرزو کو منزل تک پہنچانے کا وعدہ کرلیا۔ ٹھیک کیا نا باجی۔"

"نشی۔ تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے، لیکن چہلم کب کر رہی ہو؟" رخشندہ نے پوچھا۔

"باجی۔ پرسوں" نشاط نیند میں جھومتے ہوئے بولی۔

"او تمہیں تو نیند آرہی ہے، چلو سو جاؤ، شاباش۔" اور پھر وہ دونوں ڈبل بیڈ پر بانہوں میں بانہیں ڈال کر سکون کی نیند سو گئیں۔

شہزاد نے ندیم مرحوم کا چہلم اپنے گھر عزت و احترام مگر پروقار طریقے سے منایا۔ ندیم مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے دو قرآن شریف ختم کرائے۔ پر تکلف ظہرانے سے اعزاء و اقارب کی خاطر تواضع کی اور پورا دن غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا۔ لگ بھگ پندرہ دیگیں پلاؤ اور پانچ دیگیں زردے کی اتریں۔

چہلم کے گزرنے کے عشرہ بعد تک رخشندہ اور اس کا بیٹا نوید لاہور میں رہے۔ شہزاد کی خواہش پر پہلے پانچ دن وہ شہزاد کے گھر میں رہے۔ شہزاد اور اس کی خوب صورت و سیرت بیوی گل نے ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ بقیہ پانچ روز انہوں نے نشاط کے گھر میں گزارے۔

آخری رات کے عشائیہ کے بعد نوید خواب خرگوش میں چلا گیا اور نشاط و رخشندہ بیڈ پر لیٹے لیٹے محو گفتگو ہو گئیں۔ نشاط نے جھجکتے و شرماتے ہوئے کہا "باجی جی۔ مبارک، مبارک۔"

"اری نشی کس چیز کی مبارک، بتاؤ تو سہی" رخشندہ نے پیار سے نشاط کو نشی بلاتے ہوئے کہا۔

"او باجی جی، آپ نے میرا نام نشی رکھ دیا؟" پھر وہ رنجور ہو گئی اور روہانسی ہو کر بولی "کاش۔ اگر سرتاج زندہ ہوتے تو میں انہیں درخواست کرتی کہ وہ مجھے نشی کے نام سے پکاریں، کتنا خوب صورت نام ہے نشی، نشی۔"

"ارے میری بہن تو میری سوکن ہے لیکن اب سوکن نہیں رہی۔ تو بہت پیاری ہے اس لئے تجھے بہن سمجھ لیا ہے، چھوٹی بہن۔ بڑی بہن ہونے کے ناتے تجھے میں نے نشی کا خطاب دے دیا ہے۔ اب تم نشی ہو، اور ہاں نشی بتاؤ، مبارک کسی لئے دے رہی ہو۔"

"او جی، باجی جی۔ میں... میں..."

"کیا میں، میں لگا رکھی ہے کچھ پلو میں باندھو تو سہی۔"

"باجی جی، کیا کروں شرم آتی ہے۔"

"اچھا ایسا کرو۔ منہ جھکا لو اور دھیرے سے مجھے بتا دو۔"

"باجی جی، میں... میں امید سے ہوں۔"

"سچ نشی؟"

"قسم رب دی۔"

"لیکن نشی... وہ۔" رخشندہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں باجی جی، کیا بات ہے، آپ نے افسردگی کا لبادہ کیوں اوڑھ لیا ہے۔ آپ تو تو خوش خبری سن کر خوش ہونا چاہئے تھا، خوش۔"

"نشاط۔ میں افسردہ اس لئے ہو گئی ہوں کہ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا نہیں کر سکتی" رخشندہ کے منہ سے بے خیالی میں بے تکا جملہ نکل گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کون سا گناہ.... کیسا گناہ" نشاط نے حیران ہو کر پوچھا۔ جبکہ رخشندہ نے ماضی کے جھروکے سے دیکھا۔ تو اسے ندیم اور اپنا پرتو نظر آیا۔ وہ ندیم سے کہہ رہی تھی "ندیم' تمہیں قدرت نے اولاد پیدا کرنے والے جرثوموں سے محروم رکھا۔ تم اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہو تو پھر گوہر تمہارا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے' گوہر کسی اور کی نشانی ہے' کسی اور کی نشانی۔" پھر رخشندہ دل ہی دل میں سوچنے لگی "میں کتنی ظالم ہوں کہ میری چشمک زنی اور بدکلامی نے ہم دونوں میاں بیوی کو جدا کر دیا اور پھر ندیم نے پاکستان آ کر اپنے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اب مجھے اس قتل کا کفارہ ادا کرنا ہے اور وہ کفارہ اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ میں بڑی بہن بن کر نشی کی شادی کر دوں۔"

"باجی جی۔ کون سے خیالوں کی ندی میں ڈبکیاں لگا رہی ہو اور کس گناہ کے پاداش میں سوچوں کے گرداب میں بند ہو؟"

"اری پگلی۔ کوئی گناہ نہیں' کوئی کفارہ نہیں' دوسری شادی بھی کوئی گناہ ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ دراصل میں تمہاری دوسری شادی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ دوسری شادی جسے دنیا والے گناہ تصور کرتے ہیں' جاہل جو ہیں۔ نہیں تو اللہ اور کالی کملی والے کا حکم ہے کہ بیوہ کی شادی کر دینی چاہئے' عورت بڑی بے کس ولاچار ہوتی ہے' بغیر سائبان کے وہ دنیا کی تمازتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی' میرے منہ سے لفظ گناہ بھی اس لئے نکلا کہ میں یہ گناہ کرنا چاہتی تھی یعنی میں تمہاری دوسری شادی کرنا چاہتی تھی' میں تمہاری شادی کر کے سرتاج مرحوم کی کرم نوازیوں کا حساب چکانا چاہتی تھی۔ چونکہ تم اس کی چہیتی دیپاری تھیں اس لئے اگر میں تم پر کوئی احسان کروں گی تو ندیم مرحوم کی روح ضرور خوش ہو گی۔ اگر ان کی روح خوش ہو گئی تو پھر میرے گناہوں کا کفارہ بھی ادا ہو جائے گا' وہ گناہ جو لاعلمی میں انہیں اپنی زیادتیوں' نادانیوں والم غلم باتوں کے شکنجے میں جکڑ کر میں نے کیے۔ ہائے۔ ہائے۔ اب تو میں اپنے گناہوں کا کفارہ بھی ادا نہیں کر سکتی۔ میں تمہاری شادی نہیں کر سکتی اس لئے کہ تم امید سے ہو۔" رخشندہ نے بڑی خوبی سے اپنے بے وقت جملے کی اصلیت پر پردہ ڈال دیا۔

"باجی جی۔ یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔ میں تو زندگی بھر شادی نہیں کروں گی۔ میں زندگی بھر ندیم کی یادوں کے چراغ جلا کر رکھوں گی۔ وہ روشن چراغ جن کی کرنیں میرے وجود کے لئے روح کی طرح ناگزیر ہیں۔ نیلا آکاش' باجی دیکھو' نیلے آکاش کی وسعت یہ بتاتی ہے کہ عزم بالجزم کا سائبان فلک کی طرح وسیع اور چٹان کی طرح مضبوط ہو تو حالات کی بارش اور حوادث کی تمازت اس کو عبور کر کے اس کے وجود کو نیست و نابود نہیں کر سکتی۔ مزید برآں اس ظلمی دنیا میں میری مدد کرنے والا شہزاد ہے' اس کی باوفا بیوی گل ہے' میرا نوکر دلبر اور اس کی بیوی نسین ہے۔ اور میں مترشح ہوں... کہ.. کہ میری کوکھ سے بیٹا جنم لے گا جو میرے سرتاج مرحوم کی نشانی ہو گا۔ میں اس کی نشانی کو سینے سے لگا کر رکھوں گی... میں اسے اچھی اچھی لوریاں سنا کر سلایا کروں گی۔ اچھی طرح پالوں گی وہ بڑا ہو گا تو اعلیٰ تعلیم دلواؤں گی' وہ اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو کر قوم اور ملک کی خدمت کرے گا۔ وہ اپنی قوم کی خدمت و عزت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔ اور پھر میں... میں مہکتی و کھلتی فضاؤں میں اڑنے لگوں گی۔ اور میں اڑتے اڑتے اپنے پیا کے پاس پہنچ جاؤں گی' اپنے پیا کے پاس۔"

نشاط نے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے دل کی داستان کی گرہ کھول دی۔

رخشندہ نے اپنی نشی' اپنی نشی کی روح افزا بات سن کر شبنمی آنکھوں کے ساتھ اپنی بہادر... صابر... پہاڑ سے ٹکر لینے والی نشی کو گلے لگا لیا اور خوب بھینچا۔ تو اس کے دل کو فرحت اور ذہن کو طمانیت ملی تو وہ اپنی نشی کی جبین کشادہ کو چومتے ہوئے گویا ہوئی "میری نشو.... ندیم کی نشو... جگ جگ جیو' اپنی مرادیں پاؤ اور خوشیوں کے گرداب میں ڈبکیاں لگاؤ۔ اس مہکتے سمے میں تمہیں کیا سوغات رعنا دے سکتی ہوں۔"

پھر رخشندہ ورطہ فکر و سوچ میں ڈوب گئی "میں نشاط کے بیٹے گوہر کی قاتل ہوں' میں اپنے گناہ کا کفارہ کیسے ادا کروں؟"

"باجی جی' باجی جی۔ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" نشاط نے افسردہ لہجے میں پوچھا۔

دفعتاً رخشندہ کو اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا اور وہ خندہ زیر لبی گویا ہوئی "میں....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کیا سوچ رہی ہوں۔"

"ہاں باجی' بتایئے ناں؟"

"میں.... میں سوچ رہی ہوں۔"

"آپ کیا سوچ رہی ہیں.... پلیز باجی بتایئے' نہیں تو میں رو پڑوں گی۔"

"پھر وعدہ کرو۔"

"کون سا وعدہ؟"

"میں جو سوچ رہی ہوں' وہ میں بتاتی ہوں لیکن اس پر تمہیں عمل کرنا ہوگا۔"

"باجی جی۔ آپ کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے۔"

"تو پھر وعدہ؟"

"پکا وعدہ۔"

"تو سنو۔" رخشندہ اپنی نشی کو پیار سے چومتے ہوئے بولی "نوید اور میری طرف سے تم اپنے سر تاج مرحوم کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد کی مالک ہو۔"

"باجی جی۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں' اب تم ایفائے عہد کو نبھاؤ' آرڈر' آرڈر" رخشندہ اس کے دائیں گلابی رخسار پر بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ باجی جی" نشاط نے سیل نشاط کو پلکوں تلے روکتے ہوئے کہا جبکہ رخشندہ نے اپنے ساتھ لیٹی نشو کو اپنے کشادہ سینے سے لگالیا۔ نشاط نے بھی رخشندہ کو بھینچ لیا۔ شاید... شاید اس نے رخشندہ کو ندیم سمجھ لیا تھا۔

❄❄